قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

طلوع اسلام

نومبر ۱۹۵۸ء

قال رسول اللہ (ص)

یَکْثُرُ لَکُمُ الْاَحَادِیْثُ مِنْ بَعْدِیْ۔ فَاِذَا رُوِیَ عَنِّیْ حَدِیْثٌ

فَاعْرِضُوْہُ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ۔ فَمَا وَافَقَ فَاقْبَلُوْہُ۔ وَمَا خَالَفَ فَرُدُّوْہُ

رسول اللہ(ص) نے فرمایا کہ میرے بعد تم سے بہت سی احادیث بیان کی جائینگی۔ سو جب کوئی حدیث میری طرف سے روایت کی جائے تو اسے کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ جو اسکے موافق ہو اسے قبول کر لو۔ جو اسکے خلاف ہو اسے رد کرو۔

(بحوالہ۔ حنفی اصول فقہ کی مستند کتاب التوضیح والتلویح صفحہ ۳۸۰)

شائع کردہ :-

ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

قیمت بارہ آنے

Fehrist from tolu-e-Islam magazine 1958

لمعات	page 1
رحمة للعالمین	page 9
حقائق و عبر	page 25
باب المراسلات	page 29
رابطہ باہمی	page 31
جمع القرآن	page 41

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

(مرحوم) دستورِ پاکستان مارچ ۱۹۵۶ء میں منظور ہو کر نافذ ہوا۔ اس آئین پر ہم نے جو تفصیلی تنقید و تبصرہ کیا تھا وہ طلوعِ اسلام کی مختلف اشاعتوں میں پھیلا ہوا ملے گا لیکن یہ جس ذہنیت کا غماز تھا اسے ہم نے فروری ۱۹۵۶ء کے لمعات میں، ان مختصر الفاظ میں بے نقاب کیا تھا۔

> ہمارا خیال ہے کہ اگر اس مسودہ کے مرتبین، ملک کے سیاسی مذہب پرستوں کی غوغا آرائی سے مرعوب نہ ہو جاتے تو یہ مسودہ اپنی موجودہ شکل سے کہیں بہتر ہوتا۔ اس میں جو خامیاں ہیں وہ صحیح فہم کے فقدان کے مقابلہ میں جرأت اور ہمت کی کمی کی زیادہ غماز ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسودہ کے مرتبین کے ذہن پر یہ خیال غالب تھا کہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اہم اختلافی معاملات میں فیصلہ کن شقیں رکھ کر خواہ مخواہ کی مخالفت مول لیں۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح اس مصیبت کو سر سے ٹال دینا چاہیئے۔ آنے والے اس کے نتائج خود بھگتیں گے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس آئین کو آئینِ مفاہمت (Constitution of Compromise) کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مذہب اور سیاست میں مفاہمت۔ مُلّا اور حکومت میں مفاہمت۔ اصول اور مصلحت میں مفاہمت۔ مشرق اور مغرب میں مفاہمت۔ اے کاش! انہیں معلوم ہوتا کہ حق اپنے مقام پر اٹل ہوتا ہے اور اپنے اندر مفاہمت کی ذرا بھی گنجائش نہیں رکھتا۔

ہمیں یقین یہ دلایا گیا تھا کہ ملک کی ابتری بے آئینی کی وجہ سے ہے۔ اس آئین سے وہ ابتری بہتری میں بدل جائے گی۔ لیکن آئین کے نفاذ کے بعد ہوا یہ کہ ملک کے حالات سنورنے کے بجائے اور زیادہ بگڑتے چلے گئے۔ چنانچہ ہم نے ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ستمبر ۱۹۵۸ء کے لمعات میں لکھا تھا۔

> پاکستان کے حالات جس حد تک بگڑ چکے ہیں۔ اور جس تیزی سے اور بگڑتے جا رہے ہیں۔ اس کے متعلق کسی شرح و بسط سے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ کونسی آنکھ ہے جو ہر روز اس عبرت انگیز منظر کا تماشا نہیں کرتی اور وہ کونسا دل ہے جو ہر آن اس الم انگیز حقیقت کا احساس نہیں کرتا۔ حالات کی یہ خرابی نہ کسی خطہ تک محدود ہے۔ نہ کسی خاص طبقہ سے مخصوص۔ یہ اس حد تک عالمگیر ہو چکی ہے جس کے متعلق قرآن نے کہا تھا کہ کَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا (۷۶/۷)۔ جس کی تباہیاں متعدی امراض کے جراثیم کے مانند اس طرح فضا میں پھیلی ہوئی ہوں کہ آپ لاکھ بچنے کی

کوشش کریں وہ آپ تک اڑ کر پہنچ جائیں۔ ان کی شدت، وسعت اور گہرائی کا اس سے اندازہ لگائیے کہ عوام تو ایک طرف، وہ ارباب حل و عقد جو امور مملکت کے انتظام و انصرام کے ذمہ دار ہیں، بالکل بوکھلائے ہوئے پھر رہے ہیں۔ اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ابتری کا علاج کیا ہے۔ ان کی یہی پریشانی فکر و نظر اور سراسیمگی قلب و نگاہ ہے جس کی وجہ سے حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ اس گتھی کو جس قدر سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ اتنی ہی الجھتی چلی جاتی ہے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ سارا ملک ایک عالمگیر مایوسی کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ اور کسی کی نظروں کے سامنے امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔ ہر شخص اپنے آپ کو یوں بے بس محسوس کر رہا ہے گویا وہ ایک تناور درخت کے ساتھ مضبوط زنجیروں سے بندھا ہوا ہے اور سامنے آتش فشاں پہاڑ سے جہاں سوز لاوے کا سیلاب اس کی طرف اُمنڈے چلا آرہا ہے۔ وَ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ

پھر ہم نے جنوری ۱۹۵۸ء کے لمعات میں لکھا تھا۔

اگر کسی معاشرہ میں ہر طرف فساد ہی فساد رونما ہو جائے اور کوئی شے اپنی اصلی حالت پر نہ رہے تو اس کا لازمی نتیجہ عالمگیر مایوسی ہوتا ہے۔ مایوسی کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو سوجھتا نہیں کہ ان حالات کو سدھارنے کے لئے کیا کیا جائے۔ ساری قوم ایک دوسرے کو موردِ الزام قرار دینے میں مصروف رہتی ہے۔ ہر شخص بگڑے ہوئے حالات کا شکوہ سنج ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کا ذمہ دار قرار دے کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ میں اپنے فریضے سے سبکدوش ہو گیا۔ لیڈر اپنی تقریروں میں قوم کو کوستے ہیں کہ وہ کچھ نہیں کرتی اور قوم لیڈروں کو مطعون کرتی رہتی ہے کہ وہ بالکل نکمے اور بے ایمان ہیں۔ قرآن نے جہنم میں عوام اور لیڈروں کی باہمی گفتگو کا ذکر کیا ہے جو اسی حقیقت کی ترجمان ہے۔ (اس کے بعد اس مکالمہ کا تفصیلی ذکر کیا گیا تھا۔)

جب حالات اور زیادہ بگڑ گئے تو ہم نے کہا تھا کہ ملک میں ایسی صورت پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے جس کے پیشِ نظر ہمیں خطرہ ہے کہ کمیونزم کا سیلاب بلا نہ اُمنڈ آئے اور ہماری وہ تمام آرزوئیں خاک میں مل جائیں جنہیں اپنے سامنے محسوس پیکروں میں دیکھنے کے لئے پاکستان کا خطۂ زمین حاصل کیا گیا تھا۔ ہم نے کمیونزم کی ٹکنیک کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اگست ۱۹۵۸ء کے لمعات میں لکھا تھا۔

لیکن مسلم ممالک میں روس کی یہ کامیابی، نہ کمیونزم کے جذب و کشش کی وجہ سے ہے اور نہ ہی روس کی کسی بلند سیاست (ڈپلومیسی) کی بنا پر۔ اس کی وجہ کچھ اور ہے۔ آپ کو معلوم ہے آندھی کس طرح آتی ہے؟ کسی خطۂ زمین میں سخت گرمی ہوا کو ہلکا کر کے اوپر لے جاتی ہے۔ اس طرح اس کی فضا میں خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے دوسری جگہ سے ہوا نہایت تیزی سے آگے بڑھتی ہے۔ اسے آندھی یا جھکڑ کہتے ہیں۔ کمیونزم کا طوفان بھی بعینہٖ اسی طرح آتا ہے۔ جب کسی ملک میں غربت اور افلاس ناداری اور محرومی، بے کسی اور بے بسی اپنی انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو لوگ یاس و ناامیدی (Frustration) کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اربابِ اقتدار، جو سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ہوتے ہیں، مذہب کے علمبردار طبقہ کو آگے بڑھاتے ہیں جو انہیں یہ سبق پڑھاتے ہیں کہ یہ تمام تکالیف اور مصائب خدا کی طرف سے ہیں اس لئے تم اس کے حضور گڑگڑاؤ۔ اسی سے دعائیں مانگو۔

وہ ان مشکلوں کو آسان کر دے گا۔ وہ بیچارے خدا کو پکار کر بھی دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن ان کی مصیبتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں اب ان کے سامنے زندگی کا کوئی آسرا باقی نہیں رہتا۔ ان کے قلب و دماغ میں ایک گہرا خلا واقع ہو جاتا ہے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے کمیونزم کا جھکڑ آتا ہے۔ اس لئے اگر مسلم ممالک میں کمیونزم آندھی کی طرح چلی آ رہی ہے تو اس کی ذمہ داری خود ان ممالک کی حکومتوں اور اُن کے غیر اسلامی سرمایہ دارانہ نظام پر ہے۔

اس کے بعد ہم نے کہا تھا۔

دیگر مسلم ممالک صدیوں سے نظام سرمایہ داری کے جذام میں مبتلا تھے۔ ان کا اس سے شفایاب ہونا مشکل تھا۔ (اگرچہ قرآن کے آبِ حیات سے ہر مرض کا علاج ممکن ہے بشرطیکہ مریض میں ہنوز زندگی کی رمق باقی ہو)۔ پاکستان ایک نو تخلیق تھا جو صاف اور سادہ لوح (سلیٹ) لیکر وجود میں آیا تھا۔ اس سے توقع کی جا سکتی تھی کہ یہ اپنے ہاں قرآن کے نظام ربوبیت کو رائج کرے گا۔ سچ پوچھئے تو پاکستان کے مطالبہ کی بنیاد اور اِس کی تشکیل کا جواز ہی یہ تھا کہ اس میں قرآنی نظام کو قائم کیا جائیگا۔ لیکن ہماری بد قسمتی کہ صاحبان سرمایہ و اقتدار اور ارباب شریعت کی متحدہ کوششوں سے یہ مملکت خداداد اپنی پیدائش کے ساتھ ہی اُسی جذام کہنہ کا شکار ہو گئی۔ اور جس طرح ایک دن کا مُردہ اور ہزار سال کا مُردہ برابر ہوتے ہیں، یہ ملک ایک ہی جست میں دیگر مسلم ممالک کے ہم دوش ہو گیا۔ بلکہ اُن سے بھی چار قدم آگے نکل گیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ جس خلا کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، وہ یہاں اور بھی زیادہ شدت اور گہرائی سے پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت ہمارے معاشرہ کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ اسے نہ زندگی کی مستقل اقدار سے کوئی واسطہ رہا ہے۔ نہ اصولِ حیات سے کوئی تعلق۔ نہ اس کے سامنے کوئی ملی نصب العین ہے نہ اجتماعی مقصد زندگی۔ آبادی کا ایک مختصر (نہایت مختصر) طبقہ لوٹنے میں مصروف ہے اور باقی کثیر تعداد زندگی کی ابتدائی ضروریات تک کیلئے محتاج اور بہت بُری طرح سے محتاج۔ اُن کے سامنے روٹی کے سوا کوئی اور مسئلہ نہیں رہا۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی کے سامنے خدا کا نام لیا جائے تو وہ نہایت طنز آمیز لہجہ میں کہہ دیتا ہے کہ ہم نے دس سال تک خدا کو بھی آزما کر دیکھ لیا ہے۔ وہ بھی امیروں ہی کی سنتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں جو بھی ان کی روٹی کا مسئلہ حل کرنے کا وعدہ کرے گا یہ اُس کی طرف جھک جائیں گے۔ لہٰذا اردن ہو یا عراق۔ ایران ہو یا پاکستان۔ ان سب ممالک میں وہ خلا پیدا ہو چکا ہے۔ اور عراق میں جو کچھ ہوا ہے، وہ درحقیقت پیش خیمہ ہے اُس کا جو باقی (اسی قسم کے ممالک میں) کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔

یہ ہے ہمارے نزدیک حالات کا بے لاگ تجزیہ۔ ہم ان حضرات سے جو دل میں کچھ بھی اسلام کا احساس اور ملت کا درد رکھتے ہیں پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان حالات میں ان کا فریضہ یہی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اُسے خاموشی سے دیکھتے جائیں اور اگر ملک کمیونزم جیسے طوفانِ بلا میں بہتا ہے تو اسے بہنے دیں؟ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے تو کیا آپ پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ اس سیلاب کو روکنے کے لئے پختہ سا بند بنایا جائے!

معاشرہ کی خرابیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے ہم نے بہت پہلے اس حقیقت کو واشگاف کیا تھا کہ اس میں افراد کا قصور نہیں۔ بنیادی قصور

اس نظام کا ہے جس کی رُو سے افراد کو خرابیاں پیدا کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے جنوری ۱۹۵۸ء کے لمعات میں (جس کا ابتدائی حصہ پہلے درج کیا جا چکا ہے) لکھا تھا۔

> جب آپ پاکستان کے موجودہ معاشرے پر نگاہ ڈالیں گے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ اس میں کوئی خاص پُرزہ خراب نہیں جس کے بدلنے سے معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی۔ یہ خرابی اس پورے نظام (social order) کی ہے جو یہاں کارفرما ہے۔ اس لئے ہمارے معاشرے کی اصلاح کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ یہاں موجودہ غیر قرآنی نظام کی جگہ قرآنی نظام متشکل کیا جائے۔ قرآنی نظام کی تفاصیل تو طول طویل ہیں۔ لیکن اس کا ملخص یہ ہے کہ یہ نظام تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے سامان و ذرائع بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ "ذمہ داری" کا لفظ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ یعنی وہ نظام یہ کہہ کر فریب نہیں دے سکتا کہ ہم اس کے لئے کوشش کریں گے۔ وہ اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، اگر اس نظام میں کوئی ایک فرد بھی بھوکا رہ جائے یا اسے سامانِ نشوونما میسر نہ آئے تو وہ قرآنی نظام نہیں کہلا سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے، ضروری ہوگا کہ ملک کے تمام ذرائع پیداوار کا نظم و نسق خود اس نظام کے ہاتھوں میں ہو اور فاضلہ دولت (Surplus Money) کسی جگہ بھی جمع نہ ہونے پائے۔ یہ قرآنی نظام کی بنیادی خصوصیات ہوں گی۔ قرآن اس کے لئے جذبۂ محرکہ یہ بتاتا ہے کہ انسانی ذات (انا۔ خودی۔ نفس۔ ایغو Personality) کی نشوونما اس شے سے ہوتی ہے جسے وہ فرد کسی دوسرے کی نشوونما کے لئے دیتا ہے۔ جب انسانی ذات کی نشوونما اس طرح ہو جائے تو وہ حیات جاوید حاصل کر لیتی ہے۔ اور اس طرح وہ مرنے کے بعد زندگی کی اگلی ارتقائی مراحل طے کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

اسی حقیقت کو ہم نے اگست ۱۹۵۸ء میں دہرایا تھا جب کہا تھا کہ

> کمیونزم کو روکنے کے لئے سوائے قرآنی نظام ربوبیت کے اور کوئی بند نہیں ہو سکتا۔ اس "دینِ باطل" کا صرف قرآن کا دینِ حق ہی مقابلہ کر سکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں ابھی موقع ہے کہ اس نظام کو رائج کر کے ملک کو کمیونزم کے جہنم میں گرنے سے بچا لیا جائے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے۔ ہماری خرابیوں کا بنیادی سبب وہ غلط نظام ہے جو یہاں مسلط کر دیا گیا۔ یہ وہ سرمایہ دارانہ نظام ہے جو (اور تو اور) ان ممالک میں بھی مذموم و ملعون قرار دیا جا رہا ہے جو اس کے اولین گہوارہ تھے۔ اس نظام کو اس آئین کی رُو سے مسلط کیا گیا جو ۱۹۵۶ء میں نافذ ہوا تھا اور جس پر مفاد پرست گروہوں نے گھی کے چراغ جلائے تھے۔

قارئین اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ طلوع اسلام شروع ہی سے اس آئین کی ان شقوں کی سخت مخالفت کرتا چلا آ رہا ہے جو قرآنی تصورِ حیات اور عدلِ معاشی و عمرانی کے خلاف ہیں اس نے اس آئین کے منظور و نافذ ہونے کے بعد ہی اس کی مخالفت نہیں کی۔ وہ اس زمانے سے اس حقیقت کو سامنے لا رہا تھا جب پاکستان میں آئین سازی کا سوال اٹھا تھا۔ اس کے بعد جب پہلی اور دوسری مجالس دستور ساز اس مسئلہ پر غور

کر رہی تھیں (یا بالفاظ صحیح، اس سے کھیل کھیل رہی تھیں) تو طلوع اسلام مسلسل و متواتر ان حقائق کو ابھار اور نکھار کر سامنے لا رہا تھا۔ چنانچہ جب حکومت نے ملک کے ارباب فکر و نظر سے آئین کے مسودات مانگے تو طلوع اسلام نے قرارداد مقاصد اور آئین پاکستان کا مکمل مسودہ بھی مرتب کر کے دیدیا تھا[1]۔ اس مسودہ میں نہ صرف عمرانی اور معاشی مسائل کے متعلق قرآن کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا تھا بلکہ نظم و نسق مملکت کے ضمن میں ان خرابیوں کا ازالہ بھی کیا گیا تھا جن کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ ملک کو تباہیوں کے جہنم تک لیجانے کا موجب بن جائیں گی۔ طلوع اسلام کی تجاویز کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ (اس لئے کہ وہ مفاد پرست گروہوں کے حسین خوابوں کو پریشان کر دینے والی تھیں)۔ اور اس کے نتائج ملک نے دیکھ لئے۔

لیکن طلوع اسلام کا یہ مسلک نہیں کہ اگر اس کی کوئی بات مانی نہیں گئی تو وہ روٹھ کر بیٹھ جائے یا تخریب پر اتر آئے۔ پاکستان کا تحفظ و استحکام (تاکہ یہ خدا کے نظام ربوبیت کی تجربہ گاہ بن سکے) اور قرآنی تصورات کی نشر و اشاعت اس کی زندگی کا مشن ہے جس کے لئے اسے بہر حال وبہر حیث کوشاں رہنا ہے۔ چنانچہ وہ اس آئین میں تبدیلیوں کے لئے متواتر آواز بلند کرتا رہا۔ آئینی تبدیلیوں کے لئے اس کے پیش نظر بہر حال آئینی طریق کار ہی تھا اور وہ طریق کار اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ ملک میں صحیح قرآنی آئین کے لئے شعور کو بیدار کیا جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں اس نے جنوری ۱۹۵۷ء میں لکھا۔

> یہ تو ہوا مقصد۔ یعنی موجودہ نظام کی جگہ قرآنی نظام کا قیام۔ اب سوال یہ ہے کہ بحالات موجودہ اس مقصد کے حصول کا طریق کیا ہوگا۔ یعنی پاکستان میں اس قسم کا نظام قائم کس طرح ہوگا۔ پاکستان ایک آئینی مملکت ہے اس لئے اس میں ایک نظام کی جگہ دوسرا نظام لانے کا طریق بھی آئینی ہی ہوگا۔ آئینی تبدیلی کے معنی یہ ہیں کہ ملک کی مجالس قانون ساز میں اکثریت ان لوگوں کی ہو جو اس قسم کے نظام کو اپنے ایمان کا جزو سمجھیں۔

اسی کو اس نے اگست ۱۹۵۸ء میں دہرایا جب کہا کہ

> ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں ابھی موقع ہے کہ اس نظام کو رائج کر کے ملک کو کمیونزم کے جہنم میں گرنے سے بچا لیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اس کے لئے ہم اور آپ کیا کریں۔ اس سوال کا جواب آسان ہے۔ ہمارا ملک آئینی اور جمہوری ہے اس میں ہر تبدیلی آئینی اور جمہوری انداز سے لائی جا سکتی ہے۔ آئینی اور جمہوری طور پر تبدیلی لانے کے لئے ضروری ہے کہ جس تبدیلی کو آپ لانا چاہیں اس کے تصور کو فضا میں عام کیجئے۔

اس تبدیلی کے لئے پہلا موقع آنے والے انتخابات تھے۔ طلوع اسلام کی اپنی پارٹی کوئی نہیں اس لئے اس کے سامنے الیکشن لڑنے کا سوال نہیں تھا۔ قرآنی تصورات کو عام کرنے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ ایسے امیدواروں کو کامیاب بنائیں جو ان تصورات کے حامی ہوں۔

ظاہر ہے کہ دستور پاکستان میں ضروری تبدیلیاں کرنے کا یہ راستہ بہت لمبا تھا۔ لیکن اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہ تھا۔ ہم سے اکثر کہا جاتا تھا کہ ملک میں خرابیاں جس تیزی سے بڑھ رہی ہیں اس کے مقابلہ میں اس علاج کی رفتار بہت سست ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نسخہ تیار ہونے سے پہلے (خدانخواستہ) مریض ہی چل بسے۔ ہمیں بھی مرض کی تیز روی اور علاج کی سست خرامی کا احساس تھا، لیکن (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) اس کے لئے کوئی

[1] یہ مسودات اور آئین سے متعلق دیگر مباحث "قرآنی دستور پاکستان" میں شائع کر دیئے گئے تھے۔

دوسرا راستہ ہی نہ تھا۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ موجودہ حالات میں جس قسم کے انتخابات ہوں گے ان سے اچھے نتائج کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ یہ اعتراض وقیع تھا۔ اس کے لئے ہم نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں یہ تجویز کیا تھا کہ ملک کا نظم و نسق فوج کے مستحکم ہاتھوں میں دیدیا جائے۔ ہمارے الفاظ یہ تھے۔

> لیکن یہ تو مرض کا وہ علاج ہے جس میں وقت لگے گا۔ سوال یہ ہے کہ ملک میں تشتت و انتشار کے جو شعلے اس وقت بھڑک رہے ہیں ان کا فوری مداوا کیا ہے؛ اگر ہم جذبات سے الگ ہٹ کر سوچیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس دس سال کے تجربے نے ہمیں بتا دیا ہے کہ جب زمام حکومت نااہلوں اور بے کرداروں کے ہاتھ میں دیدی جائے تو مملکت کا کیا حشر ہو جاتا ہے۔ اس تجربے سے اب حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خود ارباب حکومت ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو رہے ہیں۔ ایک ہی پارٹی کا ایک لیڈر کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ۔ ایک ہی کیبنٹ کا ایک وزیر ایک طرف کو جاتا ہے دوسرا دوسری طرف کو۔ وزیر اعظم کچھ کہتا ہے اور اس کے وزراء کچھ اور۔ مرکز سے ایک حکم نافذ ہوتا ہے اور صوبہ کا چیف منسٹر اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس صورت حالات کو کچھ عرصہ کے لئے اسی طرح رہنے دیا گیا تو حکومت کی مشینری میں انارکی پھیل جائے گی۔ لہٰذا حالات ہمیں خود بخود اس منزل تک لے آئے ہیں جہاں اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہتا کہ اس "جمہوری تماشے" کو ختم کر کے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا جائے اور نظم و نسق کو فوج کے مستحکم ہاتھوں میں دیدیا جائے۔ تاکہ انتخابات پُر امن اور منظم فضا میں تکمیل تک پہنچ سکیں۔ ہمیں امید ہے کہ اگر انتخابات کے لئے فضا پُرامن ہو گئی تو ہمارے عوام ان لیڈروں میں سے تو کسی کو ووٹ نہیں دیں گے جنہوں نے ملک کو اس حالت تک پہنچا دیا ہے۔ ہمارے نزدیک موجودہ حالات پر قابو پانے کے لئے اس کے سوا کوئی اور شکل نہیں۔

ہم سمجھتے تھے کہ ہماری یہ آواز بھی صدا بصحرا ثابت ہو گی لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ملک میں ایسا عنصر موجود تھا جس نے مسئلہ کی انتہائی نزاکت کے پیش نظر اس تجویز کو قابل توجہ سمجھا اور عین اُس وقت جب ملک پر چاروں طرف سے مایوسیوں کے بادل چھا چکے تھے اور کہیں سے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی، ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا۔ فوج نے ملک کے نظم و نسق کو سنبھال لیا اور یہ تبدیلی اس حسن و خوبی اور خوش اطواری و خوش سلیقگی سے عمل میں آئی کہ کسی قسم کی درہمی کے بغیر بساطِ کہن اُلٹ گئی۔

اس تبدیلی کا فوری اور ہنگامی فائدہ تو یہ ہوا کہ عوام کو (جنہیں فی الواقعہ زندگی کے دن کاٹنے دشوار ہو رہے تھے) ضروریاتِ زندگی ملنے لگ گئیں۔ وہ ایک رات کے اندر اس قسم کی خوشگوار تبدیلی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دوسرا فوری فائدہ یہ ہوا کہ جن قانون شکن عناصر کے ہاتھوں شریف آدمیوں کے لئے جینا محال ہو رہا تھا، وہ ان کی دست درازیوں سے محفوظ ہو گئے۔ اب ہر امن پسند شہری اطمینان کا سانس لے رہا ہے

لیکن یہ تبدیلیاں بہرحال ہنگامی ہیں۔ ملک کی فضا میں حقیقی اور بنیادی تبدیلی اسی صورت میں آسکتی ہے جب اسے صحیح قسم کا آئین مل جائے۔ اس ضمن میں یہ امر موجب صد اطمینان ہے کہ ۱۹۵۶ء کے آئین کے بجائے ایک نئے آئین کی تدوین کا سوال موجودہ ارباب حل و عقد کے پیش نظر ہے اور اس کے لئے انہوں نے واضح الفاظ میں اعلان بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ صدر میجر جنرل اسکندر مرزا نے پہلے ہی دن اپنے

اعلامیہ میں کہہ دیا تھا کہ

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے سب سے پہلے پر امن انقلاب کے ذریعے ملک میں ہوش مندی کی فضا پیدا کرنا از بس ضروری ہے۔ اس کے بعد میرا ارادہ ہے کہ چند محبان وطن کو جمع کیا جائے تاکہ وہ سیاسی میدان میں ہمارے مسائل کا جائزہ لے کر ایک ایسا آئین مرتب کریں جو ملت اسلامیہ کے داعیات و اقتضاآت کے مطابق ہو۔

اب سمٹ سمٹا کر بات یہاں آجاتی ہے کہ وہ نیا آئین کس قسم کا ہوگا۔ اگر وہ آئین کام کا ہوا تو پھر یوں سمجھئے کہ اس انقلاب نے پاکستان کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا (اور یہ عجب کہ اس سے دنیا کی تاریخ میں بھی ایک نئے باب کا اضافہ ہو جائے)۔ لیکن اگر وہ آئین بھی کچھ اسی قسم کے خطوط پر وضع ہو گیا جن پر سابقہ آئین مدون ہوا تھا تو پھر حالات اس سے بھی بدتر ہو جائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں ارباب حل و عقد کی جہاں بانی و جہاں رانی کی صلاحیتوں کو پرکھنے کے لئے اس سے بڑھ کر ٹسٹ کا موقع کبھی نہیں آیا تھا۔

- ۱۹۵۶ء کے آئین میں کوئی شق ایسی نہیں تھی جس کی رو سے لا انتہا دولت چند افراد یا چند خاندانوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ نہ ہی اس میں اس امر کی کوئی ضمانت تھی کہ مملکت کا کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہنے پائے۔ نتیجہ اس کا وہ معاشی اور معاشرتی عدم توازن تھا جس سے پورے ملک کی کشتی ڈوب رہی تھی۔
- اس آئین میں کوئی ایسی شق نہ تھی جس کی رو سے ملک میں سیاسی پارٹیوں کا وجود ختم ہو جاتا اور انتشار پسند تخریبی عناصر مذہب کے نام پر مختلف افراد اور گروہوں میں منافرت کی آگ پھیلانے سے رک سکتے۔
- اس آئین میں کوئی ایسا انتظام نہیں کیا گیا تھا جس سے مملکت، دین کے غیر متبدل اصولوں کے اندر رہتی ہوئی قدامت پرستی کی ان غیر فطری زنجیروں کو توڑ سکتی جنہوں نے مسلم ممالک کو ہمعصر اقوام سے آگے بڑھنا تو ایک طرف، ان کے دوش بدوش چلنے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔
- اس آئین کی رو سے کوئی صورت ایسی نہیں تھی کہ حقدار کو اپنا حق اور مظلوم کو قانونی عدل بلا معاوضہ آسانی سے مل سکتا۔
- اس آئین میں کوئی شکل ایسی نہیں تھی جس سے بنگالی۔ پنجابی۔ سندھی۔ پشتون کی تفریق مٹا کر پوری قوم، امت واحدہ بن سکتی۔ نہ ہی اس میں آنے والی نسلوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی ایسا انتظام تجویز کیا گیا تھا جس کی رو سے ان کے دل و دماغ کی صلاحیتیں نشوونما پا کر صحیح اسلامی قالب میں ڈھل سکتیں۔
- نہ ہی اس آئین میں کوئی ایسی شق تھی جس کی رو سے کوئی فرد کسی دوسرے فرد کو اپنا محکوم و فرماں پذیر نہ بنا سکتا اور حکومت و فرماں روائی صرف قانون کی ہوتی۔
- حتیٰ کہ اس میں ایسا انتظام بھی کوئی نہ تھا کہ جو افراد سرے سے پاکستان کے وجود کے دشمن اور اس آئیڈیالوجی کے خلاف تھے جسے عملی تشکیل دینے کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا، ان کی جرأتیں بے باک نہ ہو سکتیں۔
- اس آئین میں وزارتوں کو مجلس مقننہ کی اکثریت کا مرہون بنا کر ایسی صورت پیدا کر دی گئی تھی جس میں ہر ممبر وزارت کو

ڈرا دھمکا کر اپنی قیمت وصول کرنے کے درپے رہتا تھا اور ہر وزیر اپنی بقا کیلئے ہر ممبر کو خوش رکھنے پر مجبور ہوتا تھا۔

- اُس آئین میں نہ ووٹروں کے لئے کوئی (Qualifications) رکھی گئی تھیں نہ امیدواروں کے لئے۔ جس کا نتیجہ یہ کہ ہر جاہل (جو اثر اور دولت رکھتا ہو) مملکت کی بلند ترین مسند پر براجمان ہو سکتا تھا۔

ہم نے اس آئین کا تجربہ کر کے دیکھ لیا۔ دُنیا میں وہی قومیں زندہ رہ سکتی ہیں جو اپنے سابقہ تجربوں سے مستقبل کی اصلاح کر لیں۔ عسکری انقلاب نے اس اصلاح کا موقعہ بہم پہنچا دیا ہے۔ اگر ہمارا جدید آئین اُس قسم کے نقائص سے دور رہا جن کی نشاندہی اوپر کی گئی ہے تو اس سے پاکستان کی زندگی میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوگا۔

میجر جنرل اسکندر مرزا نے اپنے اعلان میں کہا ہے کہ ہمارا جدید آئین ایسا ہونا چاہیئے جو ملت اسلامیہ کے داعیات (Genius) کا آئینہ دار ہو۔ ملت کے داعیات اور اسلامی فکر کا سرچشمہ خدا کی کتاب (قرآن کریم) ہے جس پر ہم سب کا ایمان ہے اور جس سے ملت کے مزاج کا قوام تیار ہوتا ہے۔ یہی ہماری حیات اجتماعیہ کا مرکز اور اساس ہے۔ قرآن کا انداز یہ ہے کہ اس نے زندگی کے اہم اور بنیادی اصول دیئے ہیں اور اسے ملت اسلامیہ پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان اصولوں کی چار دیواری میں رہتے ہوئے، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق، آئین وقوانین کی جزئیات خود مرتب کرے۔ قرآن نہ آئین کی تفاصیل سے بحث کرتا ہے نہ کسی طرز حکومت (FORM OF GOVERNMENT) کو مقدس اور غیر متبدل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر وہ آئین اور اس کے تابع ہر وہ انداز حکومت اسلامی ہوگا جو اُس کے اصولوں سے نہ ٹکرائے۔ غیر متبدل صرف قرآن کے اصول ہیں۔ ان کے حدود (Boundary lines) کے اندر رہتے ہوئے ہمیں آئین وقانون سازی کی پوری پوری آزادی حاصل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی آئین ہو۔ اگر وہ ہمارے حالات کے مطابق ہے تو ہم اسے اختیار کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ قرآن کے اصولوں سے نہ ٹکرائے۔ یہ وہ آئین ہوگا جس میں شخصی استبداد کی جگہ قانون کی اطاعت۔ سرمایہ داری کی جگہ عالمگیر نظام ربوبیت اور پیشوائیت (Priestcraft) کی جگہ قرآن کے غیر متبدل اصولوں (یا permanent values) کی فرمانروائی ہو۔ فرعون۔ قارون اور ہامان، انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور وہی آئین انسانیت کی فلاح وفوز کا ضامن ہو سکتا ہے جو ان کے لئے ضرب کلیمی کا حکم رکھے۔

جدید آئین کی تدوین کا اہم فریضہ جن "محبان وطن" کے سپرد کیا جانے والا ہے انھیں اس امر کی ہدایت دی جانی چاہیئے کہ وہ اس باب میں مندرجہ بالا اصول کو اپنے سامنے رکھیں۔ یعنی ایسا آئین مرتب کریں جو قرآنی اصولوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہمارے زمانے کے داعیات اور پاکستان کے مخصوص تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

اس اشاعت میں ایک اہم کتاب "جمع القرآن" کی قسط اول شائع ہو رہی ہے۔ اس کا باقی حصہ آئندہ اشاعت میں شائع ہوگا۔

ہمیں افسوس ہے کہ عدم گنجائش کے باعث اس مرتبہ فہرست مضامین شائع نہیں ہو رہی۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست

رحمۃ للعالمین انتہاست

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا

رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

محترم پرویز صاحب کی حقیقت کشا دبصیرت افروز تقریر جو انھوں نے بتقریب سعید عید میلاد النبیؐ شوق و شیفتگی کی نورپاش فضا میں ارزاں فرمائی۔

شائع کردہ:- ادارہ طلوعِ اسلام

۲۵ — بی — گلبرگ — لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمۃ للعالمین

[محترم پرویز صاحب، ہر اتوار کی صبح ۲۵-بی۔ گلبرگ لاہور میں درس قرآن دیتے ہیں۔ ربیع الاوّل کے ابتدائی دو درسوں کا موضوع نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ تھی۔ ۲۰ ستمبر کے درس کا عنوان رحمۃ للعالمینؐ تھا جسے احباب کے تقاضوں کے پیش نظر بعد میں تقریر کی شکل میں مدوّن کر لیا گیا جو اب قارئین طلوع اسلام کے پیش خدمت ہے تاکہ وہ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ اسے الگ پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ طلوع اسلام]

برادران عزیز! دنیا کی کسی قوم کو لیجئے۔ اس نے سال میں کچھ دن ایسے تجویز کر رکھے ہوں گے جنہیں وہ بطور قومی تیوہار منائے گی۔ قومی زندگی میں تیوہاروں کی تقریبات ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ تیوہار درحقیقت کسی قوم کے اجتماعی جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور اظہار جذبات بشرطیکہ وہ آئین و ضوابط اور سنجیدگی و شرافت کی حدود سے تجاوز نہ کرے: انسانی ذات کی نشوونما کے لئے نہایت ضروری ہے۔

تیوہار عام طور پر کسی اہم واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ جس واقعہ کی یاد میں کوئی قوم اپنا تیوہار مناتی ہے اس سے اس امر کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس قوم کے نزدیک زندگی کے مختلف عناصر کی اہمیت کا معیار کیا ہے۔ مثلاً ہندوستان کی ابتدائی آریہ قوم زراعت پیشہ تھی۔ اس لئے انہوں نے جہاں گنگا جمنا جیسے دریاؤں، بڑ اور پیپل جیسے درختوں کو اپنا دیوتا اور زمین (دھرتی) کو ماتا بنایا وہاں موسموں کے تغیرات کے اوقات (بسنت۔ ہولی وغیرہ) کو قومی تیوہار قرار دے لیا۔ اسلامی زندگی میں سب سے بلند اور عظیم مقام قرآن کریم کو حاصل ہے۔ اس لئے ان کے ہاں نزول قرآن سے زیادہ اہم واقعہ اور کونسا ہو سکتا تھا جسے ملی تیوہار کی حیثیت حاصل ہوتی۔ اس ضمن میں خود اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۱۰/۵۸) "ان سے کہہ دو کہ (قرآن کا ملنا) اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے۔ انہیں چاہیئے کہ اس پر خوشیاں

منائیں۔ یہ ہر اس شے سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں

لیکن قرآن کے بسیط حقائق (Abstract Realities) اور نظری قوانین Theoretical laws

قرآن اور صاحبِ قرآن کا تعلق

کو ایک جیتے جاگتے عملی نظام کی شکل میں سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے پیش کیا۔ اس لئے نزولِ قرآن کی یاد منانے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس ذاتِ اقدس واعظمؐ کی حیاتِ طیبہ کو بھی سامنے لایا جائے جس نے قرآنی حقائق کو محسوس پیکروں میں متشکل کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ اس نظام کے نتائج نوعِ انسانی کے حق میں کس قدر حیات بخش اور انسانیت ساز ہیں۔ ہمارے ہاں اس حقیقتِ کبریٰ کی یاد تازہ کرنے کے لئے حضورؐ کے یوم پیدائش کو بطور جشنِ مسرت (ملی تیوہار) منایا جاتا ہے جسے عام طور پر عید میلاد النبیؐ کہا جاتا ہے۔ یہ تقریب حضورؐ کے یوم پیدائش سے متعین ہوتی یا یوم وفات سے۔ واقعۂ ہجرت کی یاد میں ہوتی یا تکمیلِ دین کے اعلان کی مناسبت سے میرے نزدیک اس سے اصل حقیقت پر کچھ فرق نہ پڑتا۔ نہ پڑ سکتا ہے۔ مقصود و مطلب بہرحال، قرآنی حقائق کی روشنی میں حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کو دنیا کی نگاہوں کے سامنے لانا ہے۔ اگر ہم اس مقصد کے لئے اس تقریب سعید کو مناتے اور اس انداز و اسلوب سے آپؐ کی سیرتِ مقدسہ کو دنیا کے سامنے پیش کرتے، تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اگر ہم اب بھی اس تقریب کو اس انداز سے منائیں اور دنیا کے سامنے خالص قرآن کی تعلیم اور اس کی روشنی میں حضورؐ کی سیرت کو پیش کریں، تو میں علیٰ وجہ البصیرت دل کے پورے اطمینان سے، کہہ سکتا ہوں کہ پوری نوعِ انسانی اس تقریب کو منانے لگ جائے۔ اس لئے کہ میرے گھر کا دیا، میرے صحنِ خانہ کو روشن کرتا ہے اس لئے

آفتابِ عالمتاب

وہ صرف میرا دیا کہلاتا ہے۔ لیکن سورج ساری دنیا کو روشن کرتا ہے اس لئے وہ پورے عالمِ انسانیت کا مشترکہ چراغ ہوتا ہے۔ کسی خاص فرد۔ خاندان، قبیلہ، قوم یا ملک کا سورج نہیں ہوتا۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا (۳۳/۴۶)۔ اے نبی! ہم نے تجھے (تمام اقوام عالم کے اعمال کا) نگران۔ زندگی کی صحیح روش پر چلنے کے خوشگوار نتائج کی خوشخبری دینے والا اور غلط راستے پر چلنے کے تباہ کن عواقب سے آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ نیز خدا کے قانون کے مطابق لوگوں کو خدا کی طرف بلانے والا اور دنیا کو روشن کرنے والا سورج۔"

نبی اکرمؐ سے پہلے، حضراتِ انبیاء کرامؑ مختلف قوموں کی طرف آتے تھے (اس لئے کہ اس وقت ابھی انسان کی نگاہ اتنی وسیع اور اس کا ذہن اتنا بلند نہیں ہوا تھا کہ وہ تمام نوعِ انسانی کی عالمگیر برادری کے تصور کو اپنا سکتا۔) لیکن آپؐ کا ظہور تمام عالمِ انسانیت کے لئے تھا (اور خدا کے آخری نبی کو ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا)۔ اس لئے قرآن نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (۳۴/۲۸)۔ "اور ہم نے

ساری دنیا کیلئے رسول

تجھے تمام نوعِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔" اس کی تشریح دوسری جگہ ان الفاظ سے کر دی کہ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ

اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا (۷:۱۵۸)۔ "عالم انسانیت کو مخاطب کرکے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ اسی سلسلہ زریں کی ایک درخشندہ کڑی وہ آیہ جلیلہ بھی ہے جو آج کے موضوع کا عنوان ہے۔ یعنی

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (۲۱:۱۰۷)

اور ہم نے تجھے تمام اقوام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اسلام کا خدا، رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (۱:۱)۔ اس کا ضابطہ قوانین (قرآن) ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (۳۸:۸۷) اور اس کا رسول رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (۲۱:۱۰۷) اس میں رنگ۔ نسل۔ خون۔ زبان۔ وطن کی کوئی تخصیص و تمیز نہیں۔

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ایک غیر مسلم یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ اپنے رسولؐ کے متعلق، اپنی ذات سے لئے جو عقیدہ چاہیں رکھیں۔ لیکن آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ غیر مسلم اقوام عالم کے لئے بھی رحمت ہیں؟ یہ سوال غور طلب ہے اور آج کی نشست میں اس کا جواب میرے پیش نظر ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ میں اس موضوع کی طرف آؤں، یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ

رحمت کے معنی

"رَحۡمَۃ" کے معنی کیا ہیں۔ عام طور پر رحمت اور رحم کو مترادف المعنی سمجھا جاتا ہے اور اس اعتبار سے رحمۃ کا ترجمہ بھی رحم ہی کیا جاتا ہے۔ یعنی (Mercy) چنانچہ آپ قرآن کریم کے انگریزی تراجم میں اس لفظ کا ترجمہ (Mercy) ہی دیکھیں گے۔ لیکن اس سے اس لفظ (رحمۃ) کا صحیح مفہوم سامنے نہیں آسکتا۔ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے لفظ رحم کو سامنے لائیے جس میں جنین (بچے) کی نشوونما ہوتی ہے۔ لہذا، رحمۃ کے معنی ہوتے ہیں سامان پرورش یا وہ قالب (pattern) جس کے اندر کسی کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو سکے۔ اس میں نرمی اور لطافت کا پہلو شامل ہوتا ہے۔ بنابریں، آیت زیر نظر کے معنی یہ ہوں گے کہ اقوام عالم کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما (Develop Ment) اسی قالب (pattern) میں ہو سکتی ہے، جسے نبی اکرمؐ نے پیش کیا۔ اسی سے افراد انسانیہ کو وہ سامان زیست وار تقاء مل سکتا ہے جس سے ان کی دبی ہوئی، خوابیدہ، صلاحیتیں ابھر کر توانائی حاصل کریں۔ قرآن نے رحمۃ کے اس مفہوم کو ایک مثال کے ذریعے خود واضح کر دیا ہے جہاں کہا ہے کہ وَ هُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَ یَنۡشُرُ رَحۡمَتَہٗ (۴۲:۲۸) "اللہ وہی ہے جو مایوسیوں کے بعد بارش برساتا ہے اور (اس طرح) اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے"۔ بارش کیا کرتی ہے؟ زمین مردہ کو زندگی عطا کرتی ہے۔ اس کی دبی ہوئی صلاحیتوں کو نشوونما دیتی ہے۔ اسی کو قرآن رحمۃ سے تعبیر کرتا ہے۔

اس مثال میں قرآن نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (سامان نشوونما) کو انتہائی مایوسیوں کے عالم میں بھیجتا ہے۔

ظہور قدسی کے وقت دنیا کی حالت

سوال یہ ہے کہ جب حضورؐ رحمۃ للعالمین کا ظہور ہوا تو دنیا کا نقشہ کیا تھا؟ کیا وہ بہار آفریں امیدوں اور مسرتوں کا گہوارہ تھی یا پژمردگی خیز مایوسیوں اور نامرادیوں کا حسرت کدہ؟ اس کے متعلق ہم سے نہیں بلکہ ایک غیر مسلم مورخ کی زبان سے سنئے (میں نے شروع میں کہا ہے کہ ایک غیر مسلم یہ سوال

کرسکتا ہے کہ نبی اکرمؐ کا ظہور، غیر مسلم اقوام عالم کے لئے کس طرح آیۂ رحمت تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے جواب میں جو کچھ کہا جائے غیر مسلموں کی شہادات سے کہا جائے تاکہ قرآن کے اس دعوے کی صداقت نکھر کر سامنے آجائے۔) تہذیب کے مؤرخ ڈینی سن (Denison) نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے (Emotion As The Basis Of Civilisation) اس مصنف کی شہرت اور اس کی تصنیف کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک طرف وہائٹ ہیڈ (Whitehead) جیسا بین الاقوامی پایہ کا مفکر اپنی کتابوں میں اسے (Quote) کرتا ہے اور دوسری طرف علامہ اقبال جیسا حکیم الامت، اس کا اقتباس اپنے خطبات میں دیتا ہے۔ وہ ظہور نبویؐ کے زمانہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

اُس وقت ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تہذیب کا وہ قصر رشید جس کی تعمیر پر چار ہزار سال صرف ہوئے تھے منہدم ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور نوع انسانی پھر اسی بربریت کی طرف لوٹ جانے والی تھی جہاں ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا اور آئین و ضوابط کو کوئی جانتا تک نہیں تھا۔ قدیم قبائلی آئین و مسالک اپنی قوت و احترام کو کھو چکے تھے اس لئے اب ملوکیت کے پرانے طرق و انداز کا سکہ دنیا میں نہیں چل سکتا تھا۔ عیسائیت نے جن قواعد و ضوابط کو رائج کیا تھا وہ نظم و ضبط اور وحدت و یکجہتی کے بجائے تشتت و افتراق اور بربادی و ہلاکت کا موجب بن رہے تھے۔ غرضیکہ وقت وہ آچکا تھا جبکہ ہر طرف فساد ہی فساد نظر آتا تھا۔ تہذیب کا وہ بلند و بالا درخت جس کی سرسبز و شاداب شاخیں کبھی ساری دنیا پر سایہ فگن تھیں اور آرٹ۔ سائنس اور لٹریچر کے سنہری پھلوں سے لدی ہوئی تھیں، اب لڑکھڑا رہا تھا۔ عقیدت و احترام کی زندگی بخش نمی اس کے تنے سے خشک ہو چکی تھی اور وہ اندر تک سے بوسیدہ اور کھوکھلا ہو چکا تھا۔ جنگ و جدال کے طوفان نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے جو صرف پرانی رسموں کے بندھن سے یکجا کھڑے تھے اور جن کے متعلق ہر وقت خطرہ تھا کہ اب گرے یا اب۔

کیا ان حالات میں کوئی ایسا جذباتی کلچر پیدا کیا جا سکتا تھا جو نوع انسانی کو ایک مرتبہ پھر ایک نقطہ پر جمع کر دے اور اس طرح تہذیب کو مٹنے سے بچا لے؟ اس کلچر کو بالکل نئے انداز کا ہونا چاہیئے تھا، اس لئے کہ پرانی رسومات و آئین سب مردہ ہو چکے تھے اور ان ہی جیسے اور قوانین کا مرتب کرنا صدیوں کا کام تھا۔

اس سوال کا جواب وہ خود ہی ان الفاظ میں دیتا ہے۔

یہ امر موجب حیرت و استعجاب ہے کہ اس قسم کا نیا کلچر عرب کی سرزمین سے پیدا ہوا۔ اور اُس وقت پیدا ہوا جب اس کی اشد ضرورت تھی۔

یہ نیا کلچر (اسلام) کس قسم کا انقلاب لایا، اس کے متعلق کارلائل اپنی مشہور تصنیف (Heroes and Hero Worship)

میں لکھتا ہے۔

عربوں کے لئے یہ انقلاب ایک نئی زندگی تھی جو انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئی تھی۔ عرب اس کے ذریعے پہلی دفعہ زندہ ہوا۔ ایک ایسی قوم جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کے عالم میں ریوڑ چرانی پھرتی تھی ان کی طرف ایک رسول آیا جو اپنے ساتھ ایک ایسا پیغام لایا جس پر وہ قوم ایمان لے آئی۔

وہ دیکھو! وہی گمنام چرواہے دنیا کی ممتاز ترین قوم بن گئے۔ وہ حقیر قوم ایک عظیم الشان ملت میں تبدیل ہو گئی۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی تک چھا گئے۔ اس کے بعد سینکڑوں برس ہو چلے ہیں کہ یہ اسی شان و شوکت اور درخشندگی و تابندگی سے کرۂ ارض کے ایک عظیم حصہ پر مسلط ہیں۔ یہ سب ایمان کی حرارت سے ہوا۔ ایمان بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان سے زندگی ملتی ہے۔ جونہی کسی قوم میں ایمان پیدا ہوا اس قوم کی تاریخ اعمال میں نتائج اور روح میں بالیدگی پیدا کرنے والی بن گئی۔

وہ عرب ــــ یہ محمدؐ ــــ اور صرف ایک سو سال کا عرصہ!

کیا یہ انقلاب ایسا ہی نہیں جیسے ریت کے کسی گمنام ٹیلے پر آسمان سے بجلی آگرے اور وہ ریت کا تودہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک آتش گیر مادہ میں تبدیل ہو کر اس طرح بھک سے اُڑ جائے کہ دہلی سے غرناطہ تک اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آ جائے۔

نوع انسانی خشک نیستاں کی طرح ایک شرارہ کے انتظار میں تھی۔ وہ بجلی کا شرارہ اس طفل جلیل کی صورت میں آسمان سے آیا اور تمام نوع انسانی کو شعلہ صفت بنا گیا۔

یہ تو اس سرزمین میں ہوا جو اس "جدید کلچر" کا اولین گہوارہ بنی اور اس قوم کے لئے ہوا جس نے اس "کلچر" کو سب سے پہلے محسوس پیکر (قرآنی نظام) میں متشکل کیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ "کلچر" باقی دنیا کے لئے کس طرح حیات آفریں ثابت ہوا اور اس سے نوع انسانی کی دبی ہوئی صلاحیتوں نے کس طرح نشو و نما پائی!

قرآن نے نبی اکرمؐ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۷/۱۵۷)۔ "وہ ان تمام بوجھوں کو اتار دے گا جن کے نیچے انسانیت دبی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ اور ان تمام زنجیروں کو توڑ کر پھینک دے گا جن میں افرادِ انسانیہ جکڑے ہوئے تھے"۔ سوال یہ ہے کہ وہ کونسے بوجھ تھے جن کے نیچے انسانیت دبی ہوئی تھی۔ اور وہ کونسی زنجیریں تھیں جن میں ان کا بند بند جکڑا ہوا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی طویل ہے لیکن اگر اسے مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ بوجھ اور زنجیریں اربابِ قوت و اقتدار کا استبداد تھا جس نے انسانیت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ اس استبداد کی نوعیتیں مختلف تھیں لیکن قرآن نے اسے تین بڑی بڑی شقوں میں تقسیم کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ استبداد کی نوعیت کچھ بھی کیوں نہ ہو، وہ اصل کے اعتبار سے

حریت بخشِ نبوّت

ان تین قسموں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوگا۔ ان شقوں کو اس نے داستان بنی اسرائیل میں یک جا بیان کر دیا ہے۔ یعنی ملوکیت

تین زنجیریں

کا استبداد جس کا نمایندہ فرعون تھا۔ پیشوائیت (priestcraft) کا استبداد جس کی زنجیریں جسم کو نہیں بلکہ انسان کے قلب و دماغ کو جکڑ دیتی ہیں۔ اس کا ترجمان ہامان تھا۔ اور سرمایہ پرستی کا استبداد جو شیروں کو لومڑی بنا دیتا ہے۔ اس کا مجسمہ قارون تھا۔ آپ تاریخ انسانیت پر غور کیجئے۔ ہر جگہ یہی نظر آئے گا کہ ملوکیت پیشوائیت اور سرمایہ داری نے اپنے گٹھ جوڑ سے انسانیت کا گلا گھونٹ رکھا ہے۔ ملوکیت، انسان کی طبعی آزادی کو سلب کرتی ہے۔ پیشوائیت اس کی فکری صلاحیتوں کو تباہ کرتی اور سرمایہ داری اس کی اخلاقی جراتوں کو پامال کرتی چلی آئی ہے۔ یہی تھیں وہ استبداد کی زنجیریں اور توہم پرستی کی برف کی سلیں جنہیں اس نظام نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جسے قرآنی اصولوں کی روشنی میں نبی اکرمؐ نے قائم کیا۔ یہی نظام وہ رحمت (Pattern) ہے جس کے اندر نوع انسان کی دبی ہوئی صلاحیتیں نشو و نما پاتی ہیں۔

ملوکیت کا استبداد

ملوکیت کے استبداد کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان سے اپنا حکم منوائے۔ محکومی یا اطاعت قانون کی ہوگی نہ کہ اشخاص کی۔ اور جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس کے غیر متبدل اصول و حدود خود خدا کے مقرر کردہ ہیں۔ کسی انسان کو اختیار نہیں کہ وہ ان میں کسی قسم کا رد و بدل یا حک و اضافہ کر سکے۔ ان اصولوں کی روشنی میں، انسانوں کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں گے۔ اس مشاورت میں ساری امت اپنے نمایندگان کی وساطت سے شریک ہوگی۔ ان نمایندگان کے انتخاب میں معیار قلب و دماغ کی صلاحیت ہوگا۔ نہ کہ حسب نسب یا دولت و حشمت۔

پیشوائیت کا استبداد

پیشوائیت کے استبداد کا خاتمہ یہ کہہ کر کر دیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی حاجب و دربان نہیں۔ کوئی وسیلہ اور واسطہ نہیں۔ اطاعت خدا کے اس قانون کی ہوگی جو اس نے اپنے رسول کی وساطت سے نوع انسانی کو دیا۔ اور یہ اطاعت ہوگی اس نظام کے توسط سے جو اس قانون کو عملاً نافذ کرنے کے لئے وجود میں آئے اس قانون و نظام کی طرف دعوت علیٰ وجہ البصیرت دی جائے گی اور کسی سے کوئی عقیدہ یا نظریہ زبردستی نہیں منوایا جائے گا۔

اس نے صرف پیشوائیت ہی کو ختم نہیں کیا بلکہ خود سلسلۂ نبوت کو بھی یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ نوع انسان کی راہ نمائی کے لئے جس قدر اصولی تعلیم کی ضرورت تھی اسے مکمل شکل میں دے کر (قرآن کی دفتین میں) ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اب انسان، ان اصولوں کی روشنی میں، زندگی کے بدلنے والے تقاضوں کا حل اپنے علم و بصیرت کی رُو سے خود تلاش کرے۔ اب یہ بچہ جوان ہو گیا ہے۔ اب اسے کسی اُنگلی پکڑ کر چلانے والے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کے سامنے قرآن کے اصول اور ان کی عملی شکل اس نظام کا نقشہ ہے جسے محمد رسول اللہ والذین معہ نے قائم کیا تھا۔ اس کے بعد اسے کسی آنے والے کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ جسے آنا تھا وہ آخری بار ساری دنیا کے لئے بشیر و نذیر بن کر آ گیا۔

علامہ اقبال کے الفاظ میں

> اس نقطۂ خیال سے دیکھئے تو پیغمبرِ اسلام، دنیائے قدیم و جدید کے درمیان بطورِ حدِ فاصل کھڑے دکھائی دیں گے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ آپ کی وحی کا سرچشمہ کیا ہے تو آپ دنیائے قدیم سے متعلق نظر آئیں گے۔ لیکن اگر اس حقیقت پر نظر کی جائے کہ آپ کی وحی کی روح کیا ہے تو آپ کی ذاتِ گرامی دنیائے جدید سے متعلق نظر آئے گی۔ آپ کی بدولت زندگی نے علم کے ان سرچشموں کا سراغ پا لیا جن کی اسے اپنی نئی شاہراہوں کے لئے ضرورت تھی۔ اسلام کا ظہور، استقرائی علم کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچ گئی اور اس تکمیل سے اس نے خود اپنی خاتمیت کی ضرورت کو بے نقاب دیکھ لیا۔ اس میں یہ لطیف نکتہ پنہاں ہے کہ زندگی کو ہمیشہ کے لئے عہدِ طفولیت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اسلام نے دینی پیشوائی اور وراثتی بادشاہت کا خاتمہ کر دیا۔ قرآن کریم غور و فکر اور تجارب و مشاہدات پر بار بار زور دیتا ہے اور تاریخ اور فطرت دونوں کو علمِ انسانی کے ذرائع ٹھہراتا ہے۔ یہ سب اسی مقصد کے مختلف گوشے ہیں جو ختمِ نبوت کی تہ میں پوشیدہ ہے۔ (خطباتِ مدراس)

جہاں تک توہم پرستیوں کا تعلق تھا، اس نے ان کا خاتمہ یہ کہہ کر کر دیا کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے انسان کے لئے تابعِ تسخیر کر دیا گیا ہے۔ "یہ وہ ملائکہ ہیں جو آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں"۔ لہٰذا انسان کا مظاہرِ فطرت میں سے کسی کے سامنے جھکنا یا کسی سے ڈرنا تذلیلِ آدمیت اور تحقیرِ شرفِ انسانیت ہے۔ انسان کو قوانینِ الٰہیہ کے آستانۂ عالیہ پر جھک کر، دنیا کی ہر چوکھٹ سے بے نیاز سرفرازانہ انداز سے آگے بڑھ جانا چاہیئے۔

غلامی کا خاتمہ

اس نے غلامی کا یہ کہہ کر خاتمہ کر دیا کہ خدا نے ہر انسان کو محض انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم بنایا ہے اس لئے کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا غلام بنائے۔ باقی رہے مدارج سو ان کا معیار سیرت و کردار کی بلندی اور فرائض شناسی و حسن کارکردگی ہے اور یہ میدان تمام افرادِ انسانیہ کے لئے یکساں طور پر کھلا ہے۔

هست این میکده و دعوتِ عام است این جا
قسمتِ باده باندازهٔ جام است این جا

اس نے انسان اور انسان میں غلط معیاروں کے مطابق تفریق و تقسیم کو کسی خاص معاشرہ۔ خاص قوم۔ خاص خطۂ زمین ہی میں نہیں مٹایا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ تمام اقوامِ عالم اصل کے اعتبار سے ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی برادری کے اجزاء ہیں۔ لہٰذا رنگ۔ نسل۔ خون۔ زبان۔ وطن کے خود ساختہ معیاروں کے مطابق نوعِ انسان کو قبیلوں اور قوموں میں تقسیم کر دینا اور پھر ایک قوم کا دوسری قوم کے مقابلہ میں محاذ قائم کر لینا اور یوں اس جنتِ ارضی کو درندوں کا بھٹ بنا لینا، انسانیت نہیں۔ سبعیت و بہیمیت ہے۔ انسانوں میں تفریق و تقسیم کا معیار صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ جو لوگ انسانیت کے

بلند نصب العین حیات پر یقین رکھیں وہ ایک برادری کے فرد اور ذاتی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگ کر اس عالمگیر برادری کے تصور کی مخالفت کریں، وہ دوسری قوم کے افراد بالفاظِ دیگر قومیت کا معیار آئیڈیالوجی کا اشتراک ہے۔ نہ کہ نسل اور وطن کا اشتراک۔

سرمایہ پرستی کا خاتمہ

سرمایہ پرستی کے تاروپی استبداد کو اس نے یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ ذرائع رزق اور وسائل پیداوار (ارض) کو تمام نوعِ انسان کی پرورش کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہیئے۔ کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ انہیں ذاتی ملکیت سمجھ کر ان پر سانپ بن کر بیٹھ جائے۔ جہاں تک دولت کا تعلق ہے، ضرورت سے زاید دولت کسی شخص کے پاس نہیں رہنی چاہیئے۔ تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری معاشرہ (نظام) پر ہونی چاہیئے۔ جو معاشرہ اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا اسے حق نہیں کہ وہ زمامِ کار اپنے ہاتھ میں رکھے۔ انسانی آزادی کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ کوئی فرد، اپنی کسی ضرورت کے لئے کسی دوسرے فرد کا محتاج نہ ہو۔

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نکتۂ شرعِ مبیں این است و بس

یہ تھیں انسانی استبداد کی وہ زنجیریں جنھیں ایک ایک کر کے توڑ دیا گیا۔ لیکن اس استبداد کا ایک گوشہ ایسا ہے جو ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔ دنیا بھر کے مردوں نے ایک افسانہ تراشا کہ "آدم کو جنت سے نکلوانے کا باعث اس کی بیوی تھی" اور اس کے بعد

عورت پر استبداد

یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ تمام فتنہ اور فساد کی جڑ عورت ہے۔ اس لئے اس پر جس قدر سختی کی جائے کم ہے۔ آپ تاریخ انسانیت پر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ ظہورِ نبوی سے پہلے دنیا میں عورت کی حالت کیا تھی۔ اس حالت پر غور کیجئے اور پھر اس اعلان عظیم کو دیکھئے کہ پیدائش کے اعتبار سے مرد اور عورت کی حیثیت یکساں ہے اور فطری فرائض کے اعتبار سے اگر مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے تو ویسی ہی فضیلت عورت کو مرد پر بھی حاصل ہے۔ فتنہ و فساد کا سرچشمہ نہ عورت ہے نہ مرد۔ دونوں میں لغزش کا امکان اور استقامت کی صلاحیت موجود ہے۔

یہ ہیں برادران عزیز! وہ چند اہم اصول جن کی بنیادوں پر نبی اکرمؐ نے ایک ایسا معاشرہ استوار کیا جس نے ہر نظامِ کہن کی بساط اُلٹ کر استبداد کی ہر اس زنجیر کو توڑ دیا جو انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کے راستے میں آہنی دیوار بن کر حائل تھی۔ قرآن نے اس تمام داستان کو چند الفاظ میں اس حسن و خوبی سے سمٹا کر رکھ دیا ہے کہ جب نگہِ بصیرت اس پر غور کرتی ہے تو روح وجد میں آجاتی ہے۔ آپ ان آیات کو سامنے لائیے جن میں نبی اکرمؐ کو رحمۃ للعالمین کہہ کر پکارا گیا ہے اور پھر دیکھئے کہ قرآن نے اس

وراثتِ ارض کا محکم اصول

حقیقتِ کبریٰ کی کس حسین و جمیل انداز سے نقاب کشائی کی ہے۔ قبل اس کے کہ ان آیات کو سامنے لایا جائے، آپ ایک مرتبہ پھر اس داستانِ کہن کو دہرائیے کہ حضورؐ کے ظہورِ قدسی سے پہلے دنیا کا نظام کیا تھا؟ نظام یہ تھا کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"۔ جس نے کسی طرح قوت حاصل کر لی، اقتدار کی مسندوں پر قابض ہو گیا اور پھر یہ قبضہ و اختیار۔ یہ سطوت و اقتدار، اس کی اولاد میں وراثتاً منتقل ہوتا چلا آیا۔ اس میں نہ استعداد

وقابلیت کا کوئی سوال تھا نہ صلاحیت کی کوئی شرط۔ اس پس منظر میں دیکھئے کہ وہ نظام جسے اس رحمۃ للعالمین ؐ کے مقدس ہاتھوں نے تشکیل فرمایا، اس کا اصل الاصول کیا تھا؟ فرمایا وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۔ ہم نے ہر آسمانی کتاب میں، اخلاقی اقدار وضوابط بیان کر دینے کے بعد لکھ دیا تھا (اور اب اس بنیادی حقیقت کو قرآن میں دہرا رہے ہیں) کہ زمین کا نظم ونسق صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں رہنا چاہیے جن میں اس کی صلاحیت ہو" (صلاحیت میں قلب و دماغ دونوں کی صلاحیت آجاتی ہے۔) آپ غور کیجئے۔ برادران: کہ قرآن نے اس مختصر سے ٹکڑے میں کتنے بڑے انقلاب کا اعلان کیا ہے جس سے نظم ونسق اور اقتدار واختیار کے تمام سابق معیار اُلٹ کر ان کی جگہ صرف صلاحیت نے لے لی۔ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ۔ اس انقلاب آفریں اصول میں اس قوم کے لئے جو قوانینِ الٰہیہ کی محکومی اختیار کرے، ایک بڑی دور رس حقیقت پوشیدہ ہے اور اس کے بعد ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۱/۱۰۷-۱۰۵)

"یوں اے رسول: تمہاری بعثت تمام اقوامِ عالم کے لئے وہ قالب۔ وہ ذریعہ۔ وہ (pattern) بن جاتی ہے جس کے اندر رہتے ہوئے افرادِ انسانیہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو سکتی ہے۔"

آپ نے حضور رحمۃ للعالمین کی بعثت سے پہلے کی ہزاروں سال کی تاریخ انسانیت کو دیکھا۔ اس کے بعد آپ اس نور قدسی کے بعد کی چودہ سو سال کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے اور دیکھئے کہ زندگی کے وہ اصول جنہیں قرآن نے عطا کیا اور جن کی روشنی میں نبی اکرم ؐ نے ایک نظامِ جدید کی بنیاد ڈالی، کس طرح وہ قالب بن گئے جن کے اندر نوعِ انسانی کی دبی ہوئی صلاحیتوں نے انگڑائی لے کر آنکھ کھولی۔ اور پھر یہ سبزۂ نورستہ دیکھتے ہی دیکھتے شادابیوں اور شگفتگیوں کا لالہ زار بن گیا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ورنہ میں سوب کے غیر مسلم مفکرین۔ مصنفین اور مؤرخین کے سینکڑوں آراء واقوال پیش کرتا جن میں انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین کا ظہور نہ ہوتا تو اس خاکداں کی رنگینیاں اور رعنائیاں کبھی اس ہجوم و وفور سے تبسم ریز وکیف بار نہ ہوتیں۔ اس وقت میں آپ کے سامنے (BRIFFAULT) کی شہرۂ آفاق کتاب (The making of Humanity) کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ دیکھئے کہ یہ نامور مؤرخ اس حقیقت کا اعتراف کن الفاظ میں کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

اسلام کا احسان یورپ پر

یورپ کی نشأۃ ثانیہ پندرھویں صدی میں نہیں ہوئی بلکہ اس وقت ہوئی جب یورپ عربوں کے کلچر سے متاثر ہوا۔ یورپ کی خلقتِ جدیدہ کا گہوارہ اٹلی نہیں بلکہ اندلس ہے۔ اور روما کی تہذیب گرتے گرتے بربریت کی حد تک پہنچ چکی تھی اور ادھر دنیائے اسلام تہذیب و ذہنی تحریکات کی مرکز بن رہی تھی۔ انہی شہروں میں وہ نئی زندگی نمودار ہوئی جسے انسانی ارتقاء میں ایک نئے باب کا اضافہ کرنا تھا۔ جس وقت یہ نئی تہذیب محسوس طور پر سامنے آئی دنیا حیات نو سے آشنا

ہوئی..... اگر عرب نہ ہوتے تو یورپ کی تہذیب کا وجود ہی عمل میں نہ آتا۔ ان کے بغیر یہ یقیناً اس خصوصیت کو حاصل نہ کر سکتا تھا جس نے اسے ارتقائی مراحل میں بلند ترین سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ ویسے تو مغربی کلچر میں کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں جس میں عربی ثقافت کا رنگ نہ جھلکتا ہو۔ لیکن ایک شعبہ ایسا ہے جس میں یہ اثر بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور یہی وہ شعبہ ہے جو درحقیقت عصر حاضر کی حقیقی قوت کا باعث اور اس کی فتوحات کا ذریعہ ہے۔ یعنی علم الاشیاء۔ سائنس کی روح۔ ہماری سائنس صرف اسی حد تک عربوں کی رہین منت نہیں کہ انھوں نے ہمیں عجیب و غریب نظریات و انکشافات سے روشناس کرایا۔ نہیں! بلکہ ہماری سائنس کا وجود ہی ان کا شرمندۂ احسان ہے۔ اسلام سے پہلے دنیا کا زمانہ، درحقیقت زمانۂ قبل از سائنس (Pre Scientific) تھا۔ پندرھویں صدی تک یورپ انہی علوم و فنون کو اپناتا رہا۔ جو اسے مسلمانوں نے دیئے تھے۔ اس پر کوئی اضافہ نہ کر سکا۔ جب اندلس میں تہذیب و ثقافت نے پھر تاریکیوں کی چادر اوڑھ لی تو یورپ میں وہ جن نمودار ہوا جسے اندلس کی سرزمین نے پیدا کیا تھا۔ یورپ کو زندگی صرف سائنس نے دی۔ اسلام کے گوناگوں اثرات اس کی حرارت کا موجب بنے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں انسانی صلاحیتوں کی نمود نظر آتی ہے یہ صدقہ ہے اُس "رحمت" کا جسے تمام اقوام عالم کے لئے عام کر دیا گیا تھا۔ دنیا قرآنی اصولوں اور اس کی روشنی میں متشکل کردہ قرآنی نظام کے کئی ایک گوشوں کو اپنا چکی ہے۔ بعض گوشوں کو اپنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اور باقی گوشے ایسے ہیں جنھیں یہ مستقبل میں جا کر اپنائے گی۔ اس لئے کہ ان کے بغیر انسانی صلاحیتیں اپنی نشوونما ارتقا کی آخری حد تک پہنچ سکتی ہیں۔ نہ حسنِ کائنات میں نکھار پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا بزمِ ہستی میں جہاں کوئی روشنی کی کرن نظر آتی ہے وہ اسی آفتاب عالمتاب کی ضیاباریوں کے تصدق ہے اور گلشنِ عالم میں جہاں کوئی پھول مہکتا دکھائی دیتا ہے وہ اس جانِ بہار کی نکہت باریوں کا رہینِ منت ہے۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است

میں نے جو کچھ ابھی ابھی کہا ہے وہ محض ہماری عقیدت کا اظہار نہیں۔ وہ ایک واقعہ ہے جو ہر اس آنکھ کے سامنے بے نقاب آسکتا ہے جس پر تعصب کی پٹی نہ بندھی ہو۔ میں آپ سے اجازت چاہوں گا کہ آپ کے سامنے (Lamartine) کی مشہور تصنیف (Histore De LA Turque) کا ایک اقتباس پیش کروں۔ اقتباس طویل ضرور ہے۔ لیکن حضورؐ رحمۃ للعالمین کی شان اقدس میں، ایک غیر مسلم کی زبان سے، اس سے بہتر "نعت" کم از کم میری نظر سے نہیں گذری۔ سنئے اور اس شہادت میں میرے ہمنوا ہو جائیے۔ وہ لکھتا ہے۔

دنیا میں کسی انسان نے، برضا و رغبت یا طوعاً و کرہاً، محمدؐ کے نصب العین سے بلند نصب العین اپنے سامنے

کبھی نہیں رکھا۔ یہ نصب العین عام انسانی سطح سے بہت بلند تھا۔ مافوق البشر نصب العین۔ یہ نصب العین کیا تھا؟ خدا اور بندے کے درمیان جو توہمات کے پردے حائل ہو چکے تھے انھیں ایک ایک کرکے اُٹھا دینا اور اس طرح خدا کو انسان کے سینے میں سمو دینا اور انسان کو خدائی صفات کے رنگ میں رنگ دینا۔ اور باطل خداؤں کے ہجوم میں ایک منزہ خدا کا مقدس اور معقول تصور پیش کرنا۔ آج تک کبھی کسی انسان نے اس کی ہمت نہیں کی کہ اس قسم کے عظیم الشان کام کا بیڑہ اٹھائے جو اس طرح انسانی مقدرت سے باہر ہو اور اس کے ذرائع اس قدر محدود ہوں۔ اس لئے کہ نہ اس وقت جب اس نے اس اہم فریضہ کا تصور کیا تھا اور نہ اس وقت جب اس کی عملی تشکیل کے لئے قدم اُٹھایا تھا۔ اس کے پاس اپنی ذات یا صحرا کے ایک گوشے میں بسنے والے مٹھی بھر انسانوں سے زیادہ کوئی ساز و سامان اور ذریعہ اور وسیلہ تھا۔ اس فقدانِ ذرائع کے ساتھ آج تک کبھی کسی انسان نے دنیا میں اس قسم کا عظیم اور مستقل انقلاب پیدا نہیں کیا۔ وہ انقلاب جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دو سو سال کے اندر اندر، اسلام عملاً اور اعتقاداً تمام عرب پر حکمرانی کر رہا تھا اور اس نے خدا کے نام پر، ایران، خراسان، مغربی ہندوستان، تمام مصر، حبش، شمالی افریقہ کا تمام وہ علاقہ جو اس وقت دریافت ہو سکا تھا، اور بحیرہ روم کے متعدد جزائر اور ہسپانیہ تک کو فتح کر لیا تھا۔

اگر نصب العین کی بلندی، وسائل کی کمی اور نتائج کی درخشندگی، انسانی نبوغ (Human Genius) کا معیار ہیں تو وہ کون ہے جو اس باب میں محمدؐ کے مقابلہ میں کسی اور انسان کو پیش کرنے کی جرأت کر سکے۔ دنیا کے اور بڑے بڑے انسانوں نے صرف اسلحہ، قانون یا سلطنتیں پیدا کیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ مادی قوتوں کی تخلیق کر سکے جو اکثر اوقات خود ان کی آنکھوں کے سامنے راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں۔ لیکن اس انسان نے صرف جیوش و عساکر، مجالس قانون ساز، وسیع سلطنتوں، قوموں اور خاندانوں کو ہی حرکت نہیں دی بلکہ ان کروڑوں انسانوں کے قلوب کو بھی جو اس زمانہ کی آباد دنیا کے ایک تہائی حصہ میں بستے تھے۔ اور ان سے بھی کہیں زیادہ، اس شخصیت نے قربان گاہوں، دیوتاؤں، مذاہب و مناسک تصورات و معتقدات بلکہ روحوں تک کو ہلا دیا۔ اس نے ایک ایسی کتاب کی اساس پر جس کا ایک ایک لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہے، ایک ایسی قومیت کی بنیاد رکھی جس نے دنیا کی مختلف نسلوں اور زبانوں کے امتزاج سے ایک اُمتِ واحدہ پیدا کر دی۔ یہ لافانی اُمت اور باطل کے خداؤں سے سرکشی و تنفر۔ اور ایک خدائے واحد کے لئے والہانہ جذب و عشق۔ یہ ہیں دُنیا میں اس عظیم ہستی کی یادگاریں۔ افسانوی خداؤں کے ہجوم میں، ایک خدا کے تصور کا اعلان، بجائے خویش ایک ایسا معجزہ تھا کہ جونہی یہ الفاظ اس منادی کی زبان سے نکلے، اس نے تمام باطل خداؤں کی عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا۔ اور ایک تہائی دنیا میں آگ لگا دی۔ اُس کی زندگی۔ اُس کے مراقبات۔ توہم پرستی

کے خلاف مجاہدانہ سعی وکاوش اور باطل خداؤں کے غیظ و غضب کو استحقار کی ہنسی سے ٹھکرا دینے کی عظیم جرأت۔ مکی زندگی میں متواتر تیرہ برس تک تمام مصائب و نوائب کے مقابلہ میں استقامت و استقلال۔ مخالفین کی تکذیب و تضحیک کا خندہ پیشانی سے استقبال۔ یہ تمام مشکلات اور بحران کے بعد اس کی ہجرت اس کی مسلسل دعوت و تبلیغ، اس کا غیر منقطع جہاد۔ اپنے مقصد کی کامیابی پر یقین محکم اور نامساعد حالات میں اس کی مافوق البشر جمعیت خاطر۔ فتح و کامرانی میں تحمل و عفو، سلطنت سازی کی خاطر نہیں بلکہ اپنے الوہیاتی مقصد کی کامیابی کے لئے اس کی اُمنگیں اور آرزوئیں۔ وجد و کیف کی دنیا میں اس کی متواتر نمازیں اور دعائیں۔ اپنے اللہ سے راز و نیاز کی باتیں۔ اس کی حیات۔ اس کی ممات۔ اور بعد از موت اس کی مقبولیت۔ یہ تمام حقائق کس قسم کی زندگی کی شہادت دیتے ہیں؟ کیا ایک مکذب و مفتری کی زندگی کی یا ایسے انسان کی زندگی کی جسے اپنے دعوے کی حقانیت پر غیر متزلزل ایمان ہو! اس کا یہی کوہ شکن ایمان تھا جس نے اس میں ایسی لرزہ انگیز اور بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی اس نے اپنے عقیدہ کو زندہ اور پائندہ بنا کر دکھا دیا۔ یہ عقیدہ کیا تھا؟ خدا کی توحید اور تنزیہہ۔ اول الذکر یہ بتانے کے لئے کہ خدا کیا ہے اور ثانی الذکر اس کی وضاحت کے لئے کہ خدا کیا نہیں۔ وہ اِلّا اور یہ لَا۔ ایک حصہ، دنیا سے باطل خداؤں کو مٹانے کے لئے (خواہ اس میں تلوار کی بھی ضرورت کیوں نہ پڑے) اور دوسرا حصہ خدائے حقیقی کی مسند اجلال بچھانے کے لئے۔

بہت بڑا مفکر، بلند پایہ خطیب، پیغامبر، مقنن، سپہ سالار، تصورات و معتقدات کا فاتح۔ صحیح نظریۂ حیات کو علیٰ وجہ البصیرت قائم کرنے کا ذمہ دار۔ اس نظام کا بانی جس میں باطل خدا ذہنوں تک کی دنیا میں دخل نہ پا سکیں۔ بیس دنیاوی سلطنتوں اور ان کے اوپر ایک آسمانی بادشاہت کا بانی۔ یہ ہے محمدؐ۔

اُن تمام معیاروں اور پیمانوں کو اپنے ساتھ لے آئیے جن سے انسانی عظمت و بلندی کو ماپا اور پرکھا جاتا ہے اور اس کے بعد اس سوال کا جواب دو کہ

کیا دنیا میں اس سے بڑا انسان بھی کوئی ہوا ہے۔؟

آپ نے غور فرمایا برادران! کہ ایک حقیقت شناس "غیر مسلم" کی نگاہیں کہاں تک پہنچی ہیں اور اس نے اس "رحمۃ للعالمین" کی جھلک کہاں کہاں اور کس کس انداز سے دیکھی ہے؟

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ اس "رحمت" سے دیگر اقوام عالم کی صلاحیتیں تو بیدار ہو گئیں لیکن مسلمانوں کی صلاحیتیں یکسر پژمردہ اور مفلوج ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ خود قرآن نے بیان کر دی ہے، جہاں کہا ہے کہ حضورؐ رحمت تو ضرور ہیں لیکن صرف ان کے لئے جو ایمان لائیں۔ وَ رَحۡمَۃٌ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ (۹/۶۱)۔

آپ کہیں گے کہ مسلمان، قرآن اور صاحب قرآنؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن یہ دعوے ذرا غور طلب ہے۔ مسلمان، قرآن اور نبی اکرمؐ کے اسم گرامی کے ساتھ اپنی نسبت ضرور رکھتے ہیں لیکن نسبت رکھنے اور ایمان رکھنے میں بڑا فرق ہے، ایمان رکھنے

کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے اصولوں کو زندگی کا نصب العین بنایا جائے اور اس ضابطۂ حیات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے۔ اس کی وضاحت قرآن نے اس مقام پر کر دی ہے جہاں حضورؐ کو رحمۃ للعالمین کہا ہے۔ فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۲۱/۱۰۸)" ان سے کہہ دو کہ میری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ تمہارا الٰہ، جس کے قوانین کی اطاعت اختیار کرنی چاہیئے۔ صرف ایک (خدائے واحد) ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہو"؟ سوال یہ ہے کہ کیا ہمارا سر قرآن کے سامنے خم ہے یا اس سے سرکشی برتتے ہوئے اپنے خود ساختہ قوانین و ضوابط کے سامنے؛ غیر مسلم تو قرآن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ

> اس کی تعلیم کسی مقام پر بھی ناکام ثابت نہیں ہو سکتی ہم اپنے تمام نظامہائے تمدن کے باوجود اس کی حد سے آگے نہیں جا سکتے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں جا سکتا۔
>
> (گوئٹے کا خط ایکرمن کے نام)

لیکن ہم نے اس قرآن کو غلافوں میں لپیٹ کر رکھ چھوڑا ہے اور اپنی راہ نمائی کے لئے دوسرے دروازوں پر جبہ سائی کرتے ہیں۔ کیا ایمان اسی کو کہتے ہیں؟ لہٰذا اگر ہماری صلاحیتیں نشو و نما نہیں پاتیں تو اس میں قصور کس کا ہے؛ سورج اسی کو روشنی دے سکتا ہے جو اپنی آنکھیں کھول رکھے۔ بارش اسی زمین کے لئے نفع بخش ثابت ہو سکتی ہے جو اس کے

ایک ہی راہ

قطروں کو اپنے اندر جذب کرنے کے لئے اپنی آغوش وا کر دے۔ ہم نے اس سحاب کرم کی طرف سے اپنے لب بند کر کے، دنیا کے ہر چشمۂ تہذیب و تمدن کو آزما کر دیکھ لیا۔ کیا کہیں سے آبِ حیات کی ایک بوند بھی ہمارے لئے وجہ سیرابی ہوئی؟ کیا اس کے بعد بھی وقت نہیں آیا کہ ہم پھر اسی ابرِ نیساں کی طرف رجوع کریں جس کی گہر افشانیوں نے ایک بار ہماری زمینِ مردہ کو اس طرح زندگی اور شادابی عطا کی تھی کہ اس سے ساری دنیا پر بہار آگئی تھی۔ یاد رکھئے

> خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اب اس کے بعد ان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر خبیر و بصیر پکار اٹھتا ہے کہ
>
> مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
>
> بحق دل بند و راہِ مصطفیٰؐ رو
>
> (معراج انسانیت)

ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اس قرآنی نظام کے علاوہ جب حضورؐ رحمۃ للعالمین نے ساری دنیا کے لئے وجہ شادابی قلب

نگاہ بنایا تھا۔ انسان کے لئے نجات و سعادت کی کوئی اور راہ نہیں۔ یہی وہ مساعد فضا ہے جس میں ہر تخم صالح بڑھتا پھولتا۔ پھلتا ہے۔ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ اگر صحن عالم اس کی نسیم سحری سے محروم ہو جائے تو اس کی تمام سرسبزیاں اور شادابیاں جھلس کر رہ جائیں۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

تازہ ترین پیش کش

(معارف القرآن جلد اول کا نقش ثانی)

من و یزداں

جس میں بتایا گیا ہے کہ خدا پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے۔ خدا اور بندے کا تعلق کیا ہے۔ اسماء الحسنیٰ کے معانی کیا ہیں۔ تقدیر سے کیا مفہوم ہے۔ مشیت کسے کہتے ہیں۔ کیا انسان مجبور ہے یا مختار۔ دعا سے کیا ہوتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے متعدد عنوانات پر قرآنی حقائق کا مجموعہ۔

ضخامت ۵۷۴ صفحات

قیمت مجلد مع گرد پوش دس روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ ۲۵۔ بی۔ گل برگ۔ لاہور

چند بصیرت افروز کتابیں

جشن نامے ہم ہر سال جشن جمہوریہ منانے کی تیاریاں کرتے ہیں مگر کیا یہ جشن اسی طرح منایا جائے گا جیسے ہم ہر سال مناتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے جشنوں کی تبسم فشاں درد انگیز تصویر ۲۵۶ صفحات قیمت دو روپے

مزاج شناس رسول پیشوایانہ ڈکٹیٹرشپ کی راہیں کس طرح ہموار کی جاتی ہیں اسے سمجھنے کے لئے اس کتاب کو پڑھئے۔ تاکہ جماعت اسلامی کا صحیح موقف آپ کے سامنے آ جائے۔ قیمت چار روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن ہمیں کیا راہ نمائی دیتا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ دین کے متعلق پرازمعلومات اور حقیقت کشا کتاب ہے۔ ۴۰۰ صفحات قیمت چار روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت حیا اور جماعت اسلامی کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے ۲۴۴ صفحات۔ قیمت دو روپے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے اس کے جواب میں جناب پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات کا مجموعہ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں ۱۰۰ صفحات۔ قیمت دو روپے

اسلام میں قانون سازی کا اصول اس میں پاکستان کے علاوہ بعض دیگر ممالک اسلامیہ کے بلند پایہ مقننین کے افکار کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں قانون شریعت کا کام کس نہج پر ہونا چاہیئے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔ غیر مجلد دو روپے۔

اسلامی معاشرت — از پرویز — (تیسرا ایڈیشن)

مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے لئے قرآن کے ارشادات۔ بالخصوص عورتوں، بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اس سے بہتر کتاب آپ کو نہیں ملے گی۔

قیمت دو روپے

نوادرات از علامہ اسلم جیراجپوری

علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ

بڑا سائز ۴۰۰ صفحات۔ قیمت چار روپے

ملنے کا پتہ:-

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۲۵- بی - گلبرگ - لاہور

حقائق وعبر

۱۔ تین پرچے پڑھنے کے بعد

قارئین کو معلوم ہے کہ لکھنؤ سے شائع ہونے والے، ہفتہ وار جریدۂ 'صدق جدید' میں، ایک عرصہ سے طلوع اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کی مخالفت کا سلسلہ جاری تھا، جو تنقید و اعتراضات سے آگے بڑھ کر طعن و تشنیع تک بھی پہنچ جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک دفعہ مدیر صدق، محترم عبدالماجد دریابادی نے اس امر کا اعتراف کیا کہ انہوں نے نہ رسالہ طلوع اسلام کا کبھی مطالعہ کیا ہے اور نہ ہی اس کی طرف سے شائع شدہ لٹریچر کو دیکھا ہے۔ اس پر ہم نے ان کی خدمت میں گزارش کیا تھا کہ وہ طلوع اسلام اور اس کے لٹریچر کو خود دیکھ کر کسی رائے کا اظہار فرمائیں تو وہ رائے (کم از کم) صحافتی دیانت اور ذمہ داری کے تقاضوں کو تو پورا کر دے گی۔ ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ انہوں نے ہمارے اس مشورہ کو در خورِ اعتنا سمجھا اور طلوع اسلام کی تین اشاعتوں کو خود ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے (صدق جدید کی ۱۹ر ستمبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں) جو تبصرہ فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

طلوع اسلام: ایڈیٹر سراج الحق صاحب۔ ضخامت ۸۰ صفحہ۔ قیمت فی پرچہ ۱۲ / سالانہ ۸ روپے۔ پتہ ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔بی۔گل برگ کالونی۔ لاہور (پاکستان)

جولائی۔ اگست۔ ستمبر کے تین نمبر حال میں دفتر صدق میں موصول ہوئے۔ یہ ماہنامہ پرویز صاحب کے خیالات کا مشہور نقیب ہے۔ اور مشہور کم ہے۔ بدنام زیادہ ہے۔ لیکن ان تین نمبروں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ بدنامی کا حصہ خاصہ مبالغہ آمیز ہے۔

فکر پرویزی یقیناً ترقی پسندی، تجدد، اشتراکیت، واستخفاف حدیث کا ایک معجون مرکب ہے۔ لیکن اسے عام "اہل قرآن" یا منکرین حدیث کا ترجمان یا برق جیسے شعلہ بار اہل قلم کا ہم زبان قرار دینا صحیح نہیں۔ اور بڑی بات یہ کہ رسالہ باوجود مناظرانہ تنقیدوں کے ذاتی حملوں سے تمام تر پرہیز رکھتا ہے۔ یہ خصوصیت اس دور اور موجودہ ماحول میں ایک بڑی فضیلت کا درجہ رکھتی ہے۔

ایک مستقل باب ۸ صفحے کا "مجلس اقبال" کے عنوان سے ہوتا ہے اس میں آجکل مثنوی رموز بیخودی کی

شرح و ترجمانی ہو رہی ہے ۔ یہ ترجمانی کہیں کہیں آ کر پرویزی نظریات سے عین متناقض پڑتی اور ان سے بالکل متصادم ہو جاتی ہے اور ہر جگہ صحیح بھی نہیں معلوم ہوتی ۔ پھر بھی اس کا سلسلہ ان صفحات میں جاری ہے ۔ بعض مضامین جو دوسروں کے قلم سے ہیں اور عربی سے ترجمہ ہو کر آئے ہیں ۔ بڑے فکر انگیز ہیں ۔ اور اس قابل ہیں کہ ان پر تنقیدی تبصرہ پوری سنجیدگی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ کیا جائے ۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پرویز صاحب ، دین سے متعلق چند بنیادی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے ہیں ۔ کاش کوئی صاحب وقت نکال کر ، اُن کی ان غلط فہمیوں کی اصلاح کر دیتے ، اور اس کے بعد ان سے دین کی صحیح تبلیغ اور ملت کی صحیح خدمت کا کام لیتے ۔ ان کی تحریریں پڑھ کر غصہ نہیں آتا صرف رنج ہوتا ہے اور لکھنے والے کے ساتھ ایک گونہ ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے ۔ کہ اچھا خاصہ مخلص بھٹک کر کہاں سے کہاں پہنچا جا رہا ہے ۔

طلوع اسلام کے صرف تین پرچے پڑھنے کے بعد ، محترم مدیر صدق اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ

اسے عام " اہل قرآن " یا منکرین حدیث کا ترجمان یا برق جیسے شعلہ بار اہل قلم کا ہم نوا قرار دینا صحیح نہیں ۔

ہمیں امید ہے کہ اگر انھوں نے طلوع اسلام اور اس کے لٹریچر کو خود پڑھنے (اور اپنی عینک سے پڑھنے) کا سلسلہ جاری رکھا تو ان کی اور بہت سی غلط فہمیاں بھی رفع ہو جائیں گی ۔ حقیقت یہ ہے کہ طلوع اسلام کے خلاف طوفان اُٹھانے والوں میں ہزار میں ایک بھی ایسا نہیں ملے گا جس نے طلوع اسلام یا اس کے لٹریچر کا بچشم خود مطالعہ کیا ہو ۔

۲۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں

مسلک اہل حدیث کے ترجمان ، مؤقر ماہنامہ رحیق ، نے اپنی اکتوبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت کے جرعات میں لکھا ہے :۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن سے دین میں تحریف راہ پاتی اور اسلام کا حلیہ بگاڑنے کا کام لیا جا سکتا ہے ۔ ان میں سے ایک سبب یہ ہے جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں ۔

بعض لوگ کسی دوسری ملت کے معتقد یا کسی خاص نظریے کے حامل ہوتے ہیں ، مگر جب وہ کسی وجہ سے اسلام میں داخل ہوتے یا اسلامی علوم (قرآن ، حدیث ، فقہ و تصوف اسلامی وغیرہ) کا مطالعہ کرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اپنے موروثی عقائد ترک کریں یا کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی بدلیں ، وہ (اپنے " اجتہاد " کے زور سے) مزعومہ عقائد و نظریات (بلکہ خیالات) کے لئے (قرآن و حدیث سے) " دلائل " مہیا کرتے ہیں اور اس طرح اسلام و غیر اسلامی عقائد اور رسوم و عوائد کو ایسا گڈمڈ کر دیتے ہیں کہ حق و باطل اور صحیح و غلط میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے یعنی بظاہر وہ " تحقیق " اسلامی نظر آتی ہے مگر در حقیقت وہ کچھ اور ہوتا ہے یہ لوگ اسلام سے " دلائل " کشید کرتے وقت ہر کمزور سے کمزور

سہارا لیتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اپنے خیالات کو جھوٹی روایتوں سے مضبوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں
بلکہ اپنی طرف سے موضوع حدیثیں بھی گھڑنے لگ جاتے ہیں۔"

جو کچھ شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے (اور جسے ماہنامہ رحیق نے نقل کیا ہے) طلوعِ اسلام برسوں سے اس حقیقت کو عام کر رہا ہے اور (متقدمین سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے اس کا تجزیہ کرنے کے بعد) یہ بتا رہا ہے کہ عہد محمد رسول اللہؐ والذین معہٗ کے بعد جب مختلف ممالک کی غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہوئیں تو وہ اپنے قدیم معتقدات و نظریات کو اپنے ساتھ لائیں۔ اور یہ معتقدات و نظریات رفتہ رفتہ جزوِ اسلام بن گئے آج بھی غیر اسلامی معتقدات و نظریات ہماری کتب تفاسیر۔ احادیث۔ تاریخ و سیر میں موجود ہیں۔ جب تک ہم انھیں الگ نہیں کریں گے، دین خالص ہمارے سامنے نہیں آ سکے گا۔ انھیں الگ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اس علمی ورثہ کا قرآن کریم کی روشنی میں جائزہ لیں۔ جو کچھ اس کے مطابق نظر آئے اسے رکھ لیں۔ جو اس کے خلاف ہو اسے مسترد کر دیں۔

لیکن ہماری اس دعوت و تحریک کو دین میں فتنہ۔ بدعت۔ الحاد۔ اسلاف کی توہین۔ انکار حدیث و انکار ناموس رسالتؐ (اور نہ جانے کیا کیا کچھ) قرار دے کر مخالفت کا ایک طوفان برپا کیا جا رہا ہے۔ یعنی وہی بات شاہ صاحبؒ فرمائیں تو عین حق و صداقت۔ اسے رحیق نقل کرے تو دین کی خدمت۔ اور اسی بات کو طلوعِ اسلام کہے تو کفر و ارتداد!

جب میں چلوں تو سایہ بھی میرا نہ ساتھ دے
جب تم چلو۔ زمین چلے۔ آسماں چلے

غور کیجئے کہ دل کا روگ، انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔

۳۔ بازگشتن نگر حکومت اسرائیل ۱۹۴۸ء میں قائم ہوئی ہے۔ اس دس سال کے اندر اس نے مختلف شعبوں اور صیغوں میں جو جو ترقیاں کر لی ہیں ان کی ایک جھلک نیوز فرام اسرائیل (۲۴ ستمبر) کے واسطے سے ملاحظہ ہو۔

آبادی ۱۹۴۸ء میں ۶،۵۵،۰۰۰ تھی ۱۹۵۸ء میں ۱۷،۶۵،۱۲ ہو گئی
ریلیں۔ ۱۹۴۸ء میں ۱۴۰ میل تھیں، ۱۹۵۸ء ۳۹۵ میل تک پہنچ گئی ہیں۔
اسپتال۔ ۱۹۴۸ء میں ۶۳ تھے ۱۹۵۸ء میں ۱۰۲ تک پہنچ چکے ہیں۔
اسکولی طلبہ۔ ۱۹۴۸ء میں ۹،۷۸ تھے ۱۹۵۸ء میں ۳۶،۵۵۰ ہو گئے۔
سب سے بڑھ کر سبق آموز اسکولوں میں عرب طلبہ کی تعداد ہے۔
۱۹۴۸ء میں اسکولوں میں عرب طلبہ ۶،۷۰۰ تھے۔ ۱۹۵۸ء میں ۳۶،۵۵۰ ہو گئے!"

(اقتباس از صدق جدید مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۸ء)

اس پر اس کے سوا اور کیا تبصرہ ہو سکتا ہے کہ

چشم بردے او کشا — باز بخویشتن نگر!

تعارف کتب

پاکستانی نظریۂ حدیث (انگریزی)

ہالینڈ کے ایک مستشرق (J.M.S. BALJON JR.) نے لیڈن سے شائع ہونے والے رسالہ (The world of Islam) میں عنوانِ بالا سے ایک مقالہ لکھا۔ اسے بعد ازاں ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ یہی پمفلٹ ہمارے پیش نظر ہے۔

مقالہ نگار نے اس موضوع سے بحث کی ہے کہ اس وقت پاکستان میں حدیث کے متعلق کس قسم کے خیالات اور نظریات پائے جاتے ہیں۔ اس نے اپنی بحث کے لئے ایک طرف طلوع اسلام کے مکتبِ فکر کو منتخب کیا ہے اور وہ علامہ اسلم جیراجپوری (مرحوم) اور پرویز صاحب کو اس فکر کے علمبردار کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ دوسری طرف مودودی صاحب کو۔ اوّل الذکر کے سلسلہ میں اس کے پیش نظر "سلیم کے نام خطوط" اور "مقام حدیث" (ہر دو حصص) ہیں۔ اور ثانی الذکر کے ضمن میں، مودودی صاحب کا نمبر عۂ مضامین، تفہیمات۔ اور ترجمان القرآن کے پرچے۔ ایسے اہم اور وسیع موضوع کے متعلق اتنے محدود سے مطالعہ کے بعد ایک تنقید یا محاکمہ نگار کس حقیقت تک پہنچ سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ امر قابلِ ستائش ہے کہ

(i) ہالینڈ کا ایک باشندہ، اردو پر اتنا عبور رکھتا ہے کہ وہ ایسی کتابیں پڑھ اور سمجھ لیتا ہے۔

(ii) وہ اپنے موضوع کے متعلق براہ راست معلومات حاصل کرتا ہے۔ سنی سنائی باتوں یا تراجم پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اور

(iii) جتنا کچھ بھی اس نے پڑھا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔ مثلاً یہ حقیقت بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی کہ جب مودودی صاحب فریق مخالف سے بحث کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ اپنی حیاتِ طیبہ کے ہر سانس میں رسول تھے۔ ان کی دوسری کوئی حیثیت نہ تھی۔ لیکن جب لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کی ڈاڑھی سُنّت کے مطابق نہیں تو وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کا ڈاڑھی کے متعلق معمول ان کی ذاتی اور شخصی حیثیت سے تھا۔ رسالت کی حیثیت سے نہیں تھا۔ اس لئے اسے سنت نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح وہ اس سے بھی بے خبر نہیں کہ مودودی صاحب دوسروں کو تو منکرینِ حدیث کہتے ہیں لیکن متبعین حدیث نے خود ان کے خلاف (منکر حدیث ہونے کا) جو فتویٰ عائد کیا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

باب المراسلات

شہداء کی زندگی ہمارے پاس مختلف مقامات سے دو خطوط یہ دریافت کرنے کے لئے موصول ہوئے ہیں کہ "قرآن کریم میں ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں وہ زندہ ہیں انھیں مردہ مت کہو۔ بتایا جائے کہ ان کی یہ زندگی کیسی ہے۔ اس استفسار کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ بعض لوگ اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ان کے پیر بھی زندہ رہتے ہیں اور وفات کے بعد اپنے مریدوں کی دعائیں سنتے ہیں"۔

طلوع اسلام | سورۂ بقرہ میں ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (۲/۱۵۴) "جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں انھیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اسے سمجھ نہیں سکتے۔" دوسری جگہ ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ..... (۳/۱۶۸) "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انھیں مردہ مت خیال کرو۔ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں"۔ پہلی آیت میں قرآن نے بتایا ہے کہ مقتولین فِي سَبِيلِ اللَّهِ (جنھیں عرف عام میں شہداء کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ قرآن میں ان کے لئے یہ لفظ نہیں آیا)۔ کی زندگی اس قسم کی ہے جسے تم سمجھ نہیں سکتے۔ جو تمھارے شعور کی حد سے ماوراء ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ موجودہ دنیا میں جس طرح ایک انسان زندہ ہوتا ہے اسے ہم سب سمجھتے ہیں وہ ہماری طرح دوسروں کی بات سنتا ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے۔ سوتا جاگتا ہے۔ یہ زندگی، ہمارے شعور کے اندر آسکتی ہے۔ اس کے برعکس، مقتولین فی سبیل اللہ کی زندگی کے متعلق کہا ہے کہ وہ تمھارے شعور میں آہی نہیں سکتی۔ اس سے واضح ہے کہ ان کی زندگی کی نوعیت (جو انھیں اس جسم کی طبعی موت کے بعد ملتی ہے)، موجودہ زندگی سے یکسر مختلف ہے۔ لہذا اُس زندگی کی کیفیت اور ماہیت کو موجودہ زندگی کے مطابق سمجھنا غلط ہے۔ اس دنیا میں زندہ انسان ہماری سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ اُس مقام کے زندہ کا ہمارے ساتھ کوئی ایسا تعلق نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری آیت میں ان کی زندگی اور سامانِ زیست کے متعلق عِندَ رَبِّهِمْ کی تخصیص کرکے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ "خدا کے ہاں" ہوتا ہے۔ اس دُنیا والوں کو نہ اُس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ نہ ان کا اُن سے کوئی ربط

پیدا ہو سکتا ہے۔

باقی رہا کسی شہید یا پیر کو اپنی مدد کے لئے پکارنا۔ سو خدا کے علاوہ کسی اور کو پکارنا شرک ہے۔ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ..... (۱۳/۱۴) "پکارنا اسی کا سچا ہے۔ اور جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکتے"۔ دوسری جگہ ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (۴۶/۵) "اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو خدا کے علاوہ ان کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ اور وہ ان کی پکار سے یکسر بے خبر ہیں"۔

جو لوگ اس دنیا میں موجود ہیں اور دوسروں کی پکار کو سن سکتے اور اس کا جواب دے سکتے ہیں، انہیں بھی اس کا قطعاً اختیار نہیں کہ وہ قانون خداوندی کے خلاف کسی کو کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ اس باب میں اور تو اور۔ اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کی زبانِ مبارک سے کہلا دیا گیا، جو کائنات میں سب سے بلند مقام پر ہے۔ کہ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (۱۰/۴۹) "ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے لئے تو ایک طرف، خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ بجز اس کے جو قانون خداوندی کے مطابق ہو"۔ جب نبی اکرمؐ خود اپنے آپ کے لئے بھی کسی قسم کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے تھے تو کسی اور انسان کو اس کی کیا مقدرت ہو سکتی ہے کہ وہ قانون خداوندی سے الگ ہٹ کر، کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔

رحمۃ للعالمین

پمفلٹ کی شکل میں الگ شائع کیا جا رہا ہے۔ بزمیں اس کی تقسیم کا انتظام کریں۔

قیمت ۲/

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ ۲۵۔بی۔گل برگ۔ لاہور

رابطہ باہمی

اجتماع نمائندگان

پروگرام کے مطابق بزم ہائے طلوع اسلام کے نمایندگان کا اجتماع ۴ راکتوبر کو منعقد ہوا۔ اجتماع کے لئے ادارہ طلوع اسلام کے احاطہ میں شامیانے نصب کر دیئے گئے تھے اور اس کا انداز وہی رکھا گیا تھا جو طلوع اسلام کنونشن میں ہوتا ہے۔ انتظامات کی ذمہ داری بزم طلوع اسلام لاہور نے اپنے اوپر لے لی تھی جس کے لئے ادارہ ان کا بدل شکر گزار ہے۔ احباب کی آمد ۳ راکتوبر سے شروع ہو گئی۔ ۴ راکتوبر کی صبح تک حسب ذیل نمایندگان تشریف لے آئے تھے۔

۱۔ عبدالرحیم صاحب (پنڈ دادن خان)
۲۔ سید محمد حسین شاہ صاحب (جہلم ضلع)
۳۔ مستری غلام محمد صاحب (چک ۲۲۸ جھنگ)
۴۔ چوہدری بشارت علی صاحب (چونڈہ)
۵۔ محمد خان خالد صاحب (کلری)
۶۔ مشتاق احمد چغتائی صاحب (ڈیرہ غازی خان۔ ضلع)
۷۔ نور محمد صاحب (چنیوٹ)
۸۔ فیروز علی بھٹی صاحب (راولپنڈی)
۹۔ ملک عبدالوحید صاحب (کراچی)
۱۰۔ پیر حسین شاہ صاحب (جہلم)
۱۱۔ محمد حافظ شاہ حسینی صاحب (ٹنڈو محمد خان)
۱۲۔ ماسٹر غلام حسین صاحب (چیچہ وطنی / شیخان)
۱۳۔ ماسٹر اسلم صاحب (قصور)
۱۴۔ ظفر عباس قریشی صاحب (جھنگ صدر)
۱۵۔ سلطان احمد صاحب (جھنگ۔ ضلع)
۱۶۔ مرزا علی احمد صاحب (پشاور)
۱۷۔ ظہور احمد صاحب (پشاور صدر)
۱۸۔ چوہدری عطاء اللہ صاحب (منٹگمری)
۱۹۔ ایم۔ محمد اشرف صاحب (لائل پور)
۲۰۔ صلاح الدین صاحب (سیالکوٹ شہر)
۲۱۔ عبدالحکیم صاحب (مردان۔ ضلع)
۲۲۔ ڈاکٹر رضا محمد خان صاحب (مردان)
۲۳۔ سردار الدین صاحب (چار باغ)
۲۴۔ عبدالحکیم صاحب (نجمن بوستہ)
۲۵۔ نصر اللہ خان صاحب (چک ۱۰ شمالی سرگودھا)
۲۶۔ چوہدری افتخار احمد صاحب (لاہور)

پہلا اجلاس

صبح کی چائے کے بعد، پہلا اجلاس دس بجے شروع ہوا۔ محترم پرویز صاحب نے تلاوت قرآن کریم کے بعد نمائندگان کا شکریہ ادا کیا جو اتنے دور دراز مقامات سے محض اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنے کی تدابیر پر غور کیا جائے۔ اس میں ان کے پیشِ نظر نہ کوئی ذاتی مفاد ہے۔ نہ نام و نمود کی خواہش۔ یہ تمام زحمت اور پریشانی خالصتہً لوجہ اللہ اٹھائی گئی ہے جو اس دورِ مفاد پرستی میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ان تجاویز کا ذکر کیا جن پر غور و فکر مقصود تھا۔ ازاں بعد، اجتماع آدھ گھنٹے کے لئے ملتوی کر دیا گیا تاکہ نمائندگان ان تجاویز پر باہمی مشورہ کر لیں۔ یا کوئی اور تجویز پیش کرنا چاہیں تو اسے ناظم کے پاس بھیج دیں۔

آدھ گھنٹے کے بعد، ناظم بزمہائے طلوعِ اسلام، محترم عبدالرب صاحب کی صدارت میں باقاعدہ اجلاس شروع ہوا۔

بزموں کا باہمی ربط

سب سے پہلے یہ تجویز زیرِ غور آئی کہ مختلف بزموں کے اراکین کو باہمدگر رابطہ بڑھانا چاہیئے تاکہ باہمی مشاورت سے تحریک کی توسیع و استحکام کے سلسلہ میں مختلف تدابیر کو سامنے لایا او ان پر عمل کیا جائے۔ اس تجویز کی ہر طرف سے تائید ہوئی اور طے پایا کہ اس رابطہ کو اس طرح عام کیا جائے کہ نہ کوئی ایک دوسرے پر بوجھ بنے اور نہ ہی یہ میل ملاقات رسمی رہے۔ دل کے پورے خلوص و محبت سے ایک دوسرے سے ملا جائے اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کی تدابیر پر غور کیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی طے پایا کہ ایک ضلع۔ اور اس کے بعد ایک ڈویژن کی بزموں کے نمائندگان مختلف وقفوں کے بعد یکجا اجلاس کیا کریں۔

عوام سے رابطہ

دوسری تجویز یہ سامنے آئی کہ قرآنی فکر کو عام کرنے کے لئے عوام سے رابطہ بڑھانا نہایت ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف تجاویز پر غور کیا گیا۔ مثلاً (۱) بزمیں آسان زبان میں پمفلٹ چھپوا کر تقسیم کریں۔ (۲) ایسے مبلغ پیدا کئے جائیں جو قرآنی فکر کو عام فہم انداز میں عوام کو سمجھا سکیں۔ (۳) محترم پرویز صاحب کے لیکچرز کا ایسا انتظام کیا جائے کہ لوگوں کو ان سے مستفید ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔

اس ضمن میں، اس نکتہ پر خاص طور پر زور دیا گیا کہ بزمیں جو پمفلٹ چھاپیں یا معزز حضرات جو تقریریں کریں ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہ آنے پائے جو طلوعِ اسلام کے قرآنی مسلک و مقصد کے خلاف ہو۔

تحریک کو آگے کیسے بڑھایا جائے

یہ موضوع سب سے اہم تھا اس لئے اس پر کافی دیر تک گفتگو رہی۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ نمائندگان حضرات اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں اور محض جذباتی تجاویز کی بجائے عملی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہیں۔ طے پایا کہ طلوعِ اسلام کے پمفلٹوں کا علاقائی زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا جائے۔ (اس کی ذمہ داری مختلف علاقوں کی بزموں پر ہوگی)۔ بزمیں اپنے اپنے مقامات پر دارالمطالعہ کھولیں۔ صاحبِ فکر لوگوں سے ذاتی طور پر ملا جائے۔ ان تک لٹریچر پہنچایا جائے اور ان کے تاثرات کا جائزہ لے کر، قرآن کے متعلق ان کی مشکلات کا حل پیش کیا جائے۔

بعض بزموں نے بتایا کہ انھوں نے محترم پرویز صاحب کی تقاریر کو ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ کر کے، مختلف اجتماعات میں سنانا شروع

کیا ہے اور اس کا نتیجہ بڑا خوشگوار برآمد ہوا ہے۔ طے پایا کہ بزمیں اپنے اپنے حالات کے مطابق اس اسکیم پر عمل پیرا ہونے کے امکانات پر غور کریں۔

کیا بزم کا ممبر کسی مذہبی فرقہ یا سیاسی پارٹی کا ممبر بن سکتا ہے؟

سب سے اہم سوال جس نے توجہات کو اپنی طرف منعطف کیا تھا کہ کیا بزم طلوع اسلام کا ممبر کسی مذہبی فرقہ سے متعلق رہ سکتا ہے یا کسی سیاسی پارٹی کا ممبر بن سکتا ہے؛ جہاں تک مذہبی فرقہ سے تمسک کا تعلق ہے، اس نکتہ کو واضح کیا گیا کہ بزم طلوع اسلام کا ممبر وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس قرآنی فکر سے کلیتہً متفق ہو جو طلوع اسلام کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اس فکر کی بنیادی شق یہ ہے کہ فرقہ بندی از روئے قرآن شرک ہے۔ لہٰذا جو شخص فرقہ بندی کو شرک سمجھتا ہو وہ کسی فرقہ سے متمسک کیسے رہ سکتا ہے؟

جہاں تک ارکان اسلام (نماز روزہ وغیرہ) کی ادائیگی کا تعلق ہے، طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ جو طریقے اس وقت امت میں مروج ہیں، ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل کر کے کوئی نیا طریقہ وضع نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ چیز ایک نئے فرقہ کی تخلیق کا موجب ہوتی ہے اور فرقہ بندی قرآن کی رُو سے شرک ہے۔ لہٰذا بزم طلوع اسلام کے ممبران کو ان ارکان کو، مروجہ طریقوں میں سے کسی طریق کے مطابق ادا کرنا ہوگا۔ انھیں اس کا اختیار ہے کہ ان طریقوں میں سے جس طریقے کو مناسب خیال کریں اختیار کرلیں۔ لیکن وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہے وہی حق ہے اور دوسرے سب باطل۔ ایسا تجویز کرنے اور کہنے کا حق اُس نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو ہوگا جو قرآنی قوانین کو نافذ کرنے کے لئے عمل میں آئے گا۔

جہاں تک سیاسی پارٹیوں میں شمولیت کا تعلق ہے یہ ظاہر ہے کہ طلوع اسلام قرآنی سیاست کا داعی ہے اور ملک کی موجودہ سیاسی پارٹیوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو کلیتہً طلوع اسلام کے مسلک و مقصد کی بنیادوں پر قائم ہو۔ اگر بزم طلوع اسلام کا کوئی ممبر کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہوگا تو جن امور میں وہ پارٹی طلوع اسلام کے مسلک و مقصد سے اختلاف کرے گی اسے ان امور میں اُس پارٹی کے مسلک کا اتباع اور طلوع اسلام کے مسلک کی مخالفت کرنی ہوگی۔ اور یہ واضح ہے کہ کوئی شخص طلوع اسلام کے مسلک و منہاج میں سے کسی شق کی مخالفت کرنے کے بعد بزم طلوع اسلام کا رکن نہیں رہ سکتا۔ بنا بریں اسے ان دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ یعنی وہ یا تو بزم طلوع اسلام کا ممبر رہ سکے گا یا اُس سیاسی پارٹی کا ممبر۔ اس صورتِ حالات کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ بزم طلوع اسلام کا رکن کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں بن سکتا۔

اس مقام پر بعض احباب کی طرف سے کہا گیا کہ اگر ہم کسی سیاسی پارٹی میں شامل نہ ہوں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم دین اور سیاست کو الگ الگ سمجھتے ہیں اور یہ چیز قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ انھیں بتایا گیا کہ یہ شبہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ دین اور سیاست کو ایک سمجھنے کے یہ معنی نہیں کہ ملک میں جس قسم کی سیاسی پارٹی بھی موجود ہو اس میں ضرور شامل ہوا جائے۔ اگر ہم اس میں شامل نہ ہوں گے تو سمجھا جائے گا کہ ہم دین کو سیاست سے الگ سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ دین کے ساتھ وہی

سیاست ہم آہنگ ہو سکتی ہے جس سیاست کا مدار خود دین پر ہو۔ لادینی یا غیر دینی سیاست اور دین اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

اس مقام پر کہا گیا کہ طلوعِ اسلام خود سیاست میں حصہ کیوں نہیں لیتا۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ طلوعِ اسلام کے پیشِ نظر مقصد یہ ہے کہ پاکستان میں ایسا نظامِ مملکت قائم کیا جائے جو قرآن کی بنیادوں پر استوار ہو۔ آپ سوچیئے کہ کیا اس فکر کو لے کر اُٹھنا دین کو سیاست سے الگ رکھنا ہے؟ البتہ طلوعِ اسلام کا پروگرام یہ ہے کہ اس فکر کو اس طرح اور اس پیمانے پر عام کیا جائے کہ یہ چیز پاکستان کے مسلمانوں کا مطالبہ بن جائے اور اس طرح قرآنی نظام آئینی طریق پر قائم ہو جائے۔ اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ منظم طریق پر اس فکر کی نشر و اشاعت کی جائے۔ اس کے لئے کسی سیاسی پارٹی بنانے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہے وہ طریقِ کار جس پر طلوعِ اسلام عمل پیرا ہے۔ اگر کوئی صاحب اس طریقِ کار سے متفق نہ ہوں تو وہ شوق سے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن بزمِ طلوعِ اسلام کے ممبر بنتے ہوئے وہ کوئی اور طریقہ اختیار نہیں کر سکتے۔

لہٰذا طے پایا کہ بزمِ طلوعِ اسلام کا ممبر کسی سیاسی پارٹی کا ممبر نہیں بن سکتا۔

انتخابات

اگلا سوال یہ سامنے آیا کہ آئندہ انتخابات میں بزمِ طلوعِ اسلام کے اراکین کا موقف کیا ہونا چاہیئے۔ وضاحت کی گئی کہ چونکہ طلوعِ اسلام موجودہ عملی سیاست میں حصہ نہیں لے رہا اس لئے بزم کا کوئی ممبر اس حیثیت سے، الیکشن کے لئے بطور امیدوار کھڑا نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک آزاد (Independant) امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو سکتا ہے۔

جہاں تک ووٹ دینے کا تعلق ہے، ہم اس سے الگ نہیں رہ سکتے۔ اس کے لئے حسبِ ذیل امور طے پائے۔

(۱) ملک کی سیاسی پارٹیاں جو منشور شائع کر رہی ہیں، ان پر طلوعِ اسلام میں (قرآنی روشنی میں) تبصرہ ہوتا ہے۔ اس تبصرہ سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ کس پارٹی کا منشور کس حد تک قرآنی سیاست سے قریب ہے۔ ہمیں اپنا ووٹ اس پارٹی کے امیدوار کو دینا چاہیئے جس کا منشور قرآنی سیاست سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہو۔

(۲) یہ ہو سکتا ہے کہ کسی پارٹی کا منشور تو قرآنی سیاست سے زیادہ قریب ہو لیکن وہ پارٹی جس فرد کو بطور امیدوار نامزد کرے، اس کا ذاتی کردار قرآن سے دور ہو۔ مقامی بزم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی صورت میں ادارہ کو صورتِ حالات سے مطلع کر کے راہ نمائی حاصل کر لے۔

(۳) آزاد امیدواروں کے متعلق مقامی بزم اپنے طور پر فیصلہ کرے۔ (اختلافی معاملہ میں ادارہ سے استصواب کر لیا جائے) خصوصی حالات میں ادارہ بعض اراکینِ بزم کو ان فیصلوں سے مستثنیٰ قرار دے سکتا ہے۔

فرقہ اہلِ قرآن کے حضرات

بعض بزموں نے شکایت کی کہ فرقہ اہلِ قرآن کے حضرات بزم کے ممبر بن جاتے ہیں اور اس کے بعد وہ اپنے مخصوص عقائد و مسالک کی تبلیغ اس انداز سے کرتے ہیں جس سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ طلوعِ اسلام کا مسلک ہے۔ چنانچہ ایک آدھ مقام پر بزم والوں کو اس کا

خاص طور پر تدارک کرنا پڑا۔

وضاحت کی گئی کہ اصولی ہدایات کی رُو سے بزم کا ممبر وہی بن سکتا ہے جو طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر سے بالکلیہ متفق ہو۔ ممبر بننے کے بعد اسے اس کی اجازت نہیں ہوتی کہ وہ کسی اور مسلک وعقیدہ کی تبلیغ کرے۔ اگر کوئی صاحب ایسا کرتے ہیں تو (اصولی ہدایات کے مطابق) انھیں بزم کی رکنیت سے خارج کیا جاسکتا ہے۔ بزموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ارکانِ بزم کی اس قسم کی حرکات پر کڑی نگاہ رکھیں اور دیکھیں کہ ان سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جس میں مذہبی فرقہ بندی کا شائبہ تک بھی پایا جائے۔ ایسے ارکین کو بلاتاخیر رکنیت سے الگ کردینا چاہیئے۔ بزم کا ممبر وہی بن سکتا ہے۔ اور وہی ممبر رہ سکتا ہے جو طلوعِ اسلام کے مسلک و مقصد سے بالکلیہ متفق ہو۔ دیگر حضرات جو طلوعِ اسلام کی تحریک کو بہ ہیئتِ مجموعی پسند کرتے ہوں لیکن اس سے بالکلیہ متفق نہ ہوں۔ وہ (اگر چاہیں تو) بزم سے باہر رہ کر، اس حد تک اس فکر سے تعاون کرتے رہیں جس حد تک وہ اس سے متفق ہیں۔ وہ بزم کے ممبر نہیں بن سکتے۔

خارج شدہ یا مستعفی ممبر

طے پایا کہ جن ممبروں کو بزم کی رکنیت سے خارج کردیا جائے۔ یا جو از خود مستعفی ہو جائیں۔ وہ اگر دوبارہ بزم کے ممبر بننا چاہیں، تو بزمِ متعلقہ ان کی بابت ادارہ کو مطلع کرکے اس کا فیصلہ حاصل کرے۔ ادارہ کے فیصلہ کے بغیر ایسے ممبر دوبارہ رکن نہیں بن سکتے۔

طلوعِ اسلام کا لٹریچر

اس وقت طلوعِ اسلام کا لٹریچر مختلف کتب فروشوں کے ذریعے ایجنسی کے طریق پر فروخت ہوتا ہے۔ طے پایا کہ جہاں جہاں ممکن ہو، مقامی بزمیں یہ لٹریچر خود فروخت کریں۔ انھیں ایجنسی کے قاعدے کے مطابق کمیشن دیا جائے گا۔

ادارہ کی حالت

اس امر کی وضاحت کی گئی کہ ادارہ طلوعِ اسلام کی آمدنی کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ اور وہ ہے اس کے لٹریچر (رسالہ طلوعِ اسلام اور کتابوں) کی فروخت۔ ادارہ کو نہ کسی سے مالی امداد ملتی ہے۔ نہ یہ کسی سے عطیہ لیتا ہے۔ نہ اس کی کوئی ممبر شپ (رکنیت) یا اس کا چندہ ہے۔ نہ اسے بزموں کی طرف سے مالی مدد ملتی ہے۔ (طباعت لغات القرآن کے سلسلہ میں جو کچھ کسی نے دیا ہے وہ ادارہ نے الگ رکھا ہے۔ اسے اسی مد میں خرچ کیا جائے گا۔ ادارہ اسے اپنے مصرف میں نہیں لائے گا) ان دریں حالات، ادارہ کی زندگی کا دارومدار صرف اس کی کتابوں کے منافع پر ہے۔ رسالہ طلوعِ اسلام کا خسارہ بھی اسی سے پورا ہوتا ہے۔ ادارہ کے پاس (دو ایک کتابوں کو چھوڑ کر باقی سب) کتابیں محترم پرویز صاحب کی تصنیف ہیں لیکن وہ ان پر رائلٹی بھی نہیں لیتے۔ (بلکہ جب بہ ہیئتِ مجموعی ادارہ کو خسارہ ہوتا ہے تو اسے بھی وہی پورا کرتے ہیں)۔

جو کتابیں ایجنٹوں کی معرفت فروخت ہوتی ہیں ان پر کافی کمیشن دینا پڑتا ہے جس کے بعد ادارہ کی آمدنی بہت کم رہ جاتی ہے یہ وجہ ہے کہ اس وقت ادارے کے سامنے کئی پروگرام ہیں جو روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے رُکے پڑے ہیں۔

پیشگی خریداران کی اسکیم

اس مقصد کے لئے کچھ عرصہ پہلے "پیشگی خریداران کی اسکیم" چلائی گئی تھی جو اس باب میں کافی ممد و معاون ثابت ہوئی۔ اس اسکیم کی رُو سے خریداران ایک سو روپیہ کی رقم (یکمشت یا چار اقساط میں) ادارہ کے پاس پیشگی جمع کرا دیتے ہیں۔ ادارہ انھیں (ان کی حسب پسند) کتابیں بھیجتا رہتا ہے اور خرچ ڈاک بھی خود برداشت کرتا ہے۔ اس طرح انھیں ہر کتاب (جس کی انھیں ضرورت ہو) بلا خرچ ڈاک - اصل قیمت پر گھر بیٹھے مل جاتی ہے۔

چونکہ بزمہائے طلوع اسلام کا مقصد قرآنی فکر کی نشر و اشاعت ہے اس لئے اگر تمام بزمیں ادارہ کی مطبوعات کے لئے پیشگی خریدار مہیا کرنا اپنا فریضہ سمجھ لیں تو ان کا یہ اقدام اس تحریک کے استحکام اور توسیع کے لئے ممد و معاون ہوگا۔

اس وضاحت کے بعد طے پایا کہ

(i) ابتدائی بزموں کا ہر رکن یہ کوشش کرے کہ کم از کم ایک پیشگی خریدار ہر سال ادارہ کو مہیا کرے۔

(ii) بزموں کے نمایندے دیکھیں کہ ان کی بزم کے جو ارکان ابھی تک پیشگی خریدار نہیں بنے وہ حتی الامکان اس سلسلہ میں جلد از جلد منسلک ہو جائیں۔

(iii) بزموں کے جو ارکان پہلے سے اس سلسلہ میں منسلک ہیں لیکن ان کا زر پیشگی ختم ہو چکا ہے وہ اپنا زر پیشگی جلد از جلد ادارہ کو بھیج دیں تاکہ یہ سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔

آیندہ کنونشن

راولپنڈی کنونشن (منعقدہ اکتوبر ۱۹۵۸ء) میں چوہدری عبدالرحمٰن صاحب (لاہور) کو کنونشن کمیٹی کا صدر مقرر کیا گیا تھا اور ان سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنی کمیٹی کے ارکان خود نامزد کر لیں۔ چوہدری صاحب نے بتایا کہ انھوں نے کمیٹی کے دو ارکان نامزد کر لئے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے اس امر کی وضاحت کی کہ جب تک تحریک ابتدائی مراحل میں ہے، زیادہ مناسب یہی ہے کہ سالانہ کنونشن لاہور (مرکزی مقام) میں منعقد ہو۔ اس سے ایک طرف انتظامات میں سہولت رہتی ہے اور دوسری طرف خرچ میں بھی کافی کفایت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس تجویز کو اس ترمیم کے ساتھ منظور کر لیا گیا کہ اگر کسی دوسرے مقام کی بزم چاہے کہ کنونشن ان کے ہاں منعقد ہو تو وہ اس امر کی اطلاع صدر کنونشن کمیٹی کو وسط دسمبر تک دے۔ صدر کنونشن کمیٹی کی منظوری سے کنونشن کا انعقاد اُس بزم کے ہاں ہو سکے گا۔ اُس کنونشن کے انتظامات و اخراجات کی تمام ذمہ داری اُس بزم پر ہوگی۔ البتہ کنونشن کمیٹی انتظام کے سلسلہ میں ان سے پورا پورا تعاون کرے گی۔ نیز طے پایا کہ

(i) اگر وسط دسمبر تک کسی اور بزم نے دعوت نہ دی تو آیندہ کنونشن وسط اپریل میں لاہور میں منعقد ہوگی۔ معین تاریخوں کا اعلان کنونشن کمیٹی کی طرف سے بعد میں ہوگا۔

(ii) آیندہ کنونشن میں شامل ہونے والے حضرات سے بحساب فی کس پندرہ روپے (برائے اخراجات) وصول کیا جائے۔ یہ رقم کنونشن سے ایک ماہ قبل، صدر کنونشن کمیٹی کے پاس پہنچ جانی چاہیئے۔

(iii) کنونشن اور دیگر اجتماعات کے استعمال کے لئے برتن اپنے خرید لئے جائیں اس مقصد کے لئے دو ہزار روپیہ بزمیں

فراہم کریں۔

اس سلسلہ میں قریب ساڑھے تیرہ سو روپے کے وعدے اُسی وقت ہو گئے۔ یہ رقوم بھی صدر کنونشن کمیٹی (چوہدری عبدالرحمن صاحب ۔ بہترین ہاؤس ۔ متصل منٹو ۔ شالامار ٹاؤن ۔ لاہور) کے نام بھیجدی جائیں۔

پرویز صاحب کا دورہ

طے پایا کہ بزموں کی دعوت پر محترم پرویز صاحب مختلف مقامات کا دورہ کیا کریں۔ اس سلسلہ میں دسمبر تک کے لئے پروگرام طے پاگیا۔

متعلقہ بزموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس دورہ کے سلسلہ میں مضافات کی بزموں کو ضروری اطلاع بھیجیں تاکہ وہاں کے دلچسپی رکھنے والے حضرات بھی مقررہ تاریخوں پر معین مقام پر آسکیں۔

دوسرا اجلاس

چونکہ جبلہ تجاویز کا یکجا تذکرہ زیادہ موزوں تھا اس لئے ہم نے درمیان میں نہیں لکھا کہ پہلا اجلاس ایک بجے ختم ہو گیا۔ پھر نماز ظہر اور کھانے کے بعد، دوسرا اجلاس شروع ہوا جو نماز عصر اور چائے کے لئے پانچ بجے برخاست ہو گیا۔ شام کی چائے اور رات کا کھانا بزم طلوع اسلام، لاہور کی طرف سے تھا۔

محفل خاص

دوسرے اجلاس پر اجتماع کی رسمی کارروائی ختم ہو گئی۔ جو حضرات طلوع اسلام کی کنونشنز میں شریک ہوئے ہیں، انھیں معلوم ہے کہ ان اجتماعات میں ایک خصوصی محفل ایسی منعقد ہوا کرتی ہے جس میں احباب قرآن کریم کے مشکل مقامات کے متعلق اپنے اپنے سوالات پیش کیا کرتے ہیں اور پرویز صاحب اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق ان کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ اس اجتماع میں بھی بعد نماز مغرب، اسی قسم کی خصوصی محفل منعقد ہوئی جس میں شرکار محفل نے اپنی قرآنی مشکلات کو پیش کیا اور پرویز صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ان کا جواب دیا۔ یہ حسین و سادہ محفل کھانے کے وقت تک منعقد رہی اور شرکار محفل کی بہت سی الجھنیں دور ہو گئیں۔

رین بسیرا

رات کو سونے کا انتظام شامیانوں کے نیچے تھا۔ یہ قرآنی احباب قریب ایک سال کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے اس لئے ان کے دل میں "شوق وصل و شکوۂ ہجراں" سے متعلق بہت سی باتیں جمع تھیں جن کے لئے یہ فرصت کے لمحات غنیمت سمجھے گئے۔ چنانچہ بہت رات گئے تک یہ مخلص احباب مصروفِ گفت و شنید رہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی گفتگو کا محور قرآن ہی تھا۔

دوسری صبح

اتوار کی صبح، ناظم ادارہ طلوع اسلام، (شیخ سراج الحق صاحب) کے یہاں احباب کی چائے کی دعوت تھی۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد یہ حضرات پرویز صاحب کے درس قرآن میں شریک ہوئے جو ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے شروع ہو گیا۔ اس درس قرآن کی کیفیات کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خود اس میں شریک ہوں۔

الوداع

دس بجے تک درس جاری رہا۔ اس کے بعد احباب نے کھانا کھایا اور اپنی اپنی گاڑیوں کے وقت کے مطابق یہ یہاں رخصت ہوتے گئے۔

للہ الحمد کہ یہ اجتماع ان خوشگوار نتائج کا حامل رہا جس کے لئے اسے منعقد کیا گیا تھا۔ ادارۂ طلوع اسلام کے کراچی سے لاہور منتقل ہو کر آنے کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ اس سے مغربی پاکستان کے احباب سے ملنے کے مواقع زیادہ میسر آسکیں گے۔ اور اس طرح باہمی ارتباط سے قرآنی فکر کی یہ تحریک آگے بڑھے گی۔ یہ اجتماع اسی آرزو کی درخشندہ تعبیر تھی۔ وَ قُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ أَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (۱۷/۸۰)

(بقیہ تعارف کتب صفحہ ۲۸ سے آگے)

حدیث کے متعلق طلوع اسلام کا مسلک

اس مقام پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ حدیث کے متعلق طلوع اسلام کا مسلک، مختصر الفاظ میں دہرا دیں تاکہ مقالہ نگار پر حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔ طلوع اسلام کا مسلک یہ ہے کہ

(۱) دین اللہ کی طرف سے ملا ہے اور وہ قرآن کے اندر مکمل اور محفوظ شکل میں موجود ہے۔ نہ قرآن کے بعد کوئی آسمانی کتاب آسکتی ہے، نہ نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نبی یا رسول۔

(۲) قرآن میں، کچھ احکام ایسے ہیں جن کی جزئیات بھی دیدی گئی ہیں۔ لیکن اس کا بیشتر حصہ دین کے اصولوں پر مشتمل ہے جن کی فروعات قرآن نے متعین نہیں کیں۔ قرآن کے مصرح احکام ہوں یا اصول۔ سب غیر متبدل اور اٹل ہیں۔

(۳) قرآن نے جن اصولوں کی جزئیات خود متعین نہیں کیں، ان سے مقصود یہ ہے کہ ان میں، زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق ردوبدل ہو سکتا ہے۔ اگر انھیں بھی غیر متبدل رکھنا مقصود ہوتا تو قرآن ان کی بھی تصریح کر دیتا۔ ان اصولوں کی جزئیات سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے صحابہؓ کے مشورہ سے متعین فرمائیں۔ حضورؐ کو مشورہ کا حکم قرآن نے دیا تھا۔

(۴) رسول اللہؐ کے بعد، یہ سلسلہ زمانۂ خلافت راشدہ میں بھی جاری رہا۔ حالات کی تبدیلی سے جن سابقہ احکام میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی ان میں تبدیلی بھی کی گئی۔ اور نئے پیش آمدہ امور کے متعلق نئے احکام بھی نافذ کئے گئے۔

(۵) اگر خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ جاری رہتا تو بہ تقاضائے حالات ان احکام میں ردوبدل اور حک و اضافہ ہوتا رہتا۔ لیکن (بدقسمتی سے) یہ سلسلہ رک گیا۔

(۶) اس وقت بھی وہ خلافت موجود نہیں۔ اس لئے جب تک ایسی خلافت پھر قائم نہ ہو، امت کو قرآنی اصولوں کی ان جزئیات کی جو متوارث چلی آرہی ہیں، اسی طرح پابندی کرتے رہنا چاہیئے۔ کسی فرد کو اس کا حق حاصل نہیں کہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی کر سکے یا کوئی نیا طریق وضع کر سکے۔ (البتہ جو عقیدہ یا عمل قرآن سے ٹکرائے اس سے اجتناب ضروری ہے)

(۷) اگر پھر قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت کا نظام) قائم ہو، تو اسے اس کا حق ہوگا کہ زمانے کے بدلتے ہوئے

تقاضوں کے مطابق، ان احکام میں رد و بدل یا حک و اضافہ کر دے۔ اُس وقت اُس نظام کی طرف سے صادر شدہ فیصلے احکام شریعت کہلائیں گے۔

(۸) ہماری کتب احادیث میں کچھ تو وہ احکام ہیں جن کی پوزیشن اوپر واضح کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان میں

(۱) نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ کے متعلق روایات ہیں۔

(۲) بعض روایات انبیاء سابقہ کے متعلق ہیں۔ اور

(۳) بعض عام واقعات اور حالات کے متعلق۔

نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ قرآن کے اتباع کا نمونہ (اسوۂ حسنہ) تھی۔ لیکن کتب احادیث میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت (معاذ اللہ) داغدار ہو جاتی ہے۔ ہم ان روایات کو وضعی اور دشمنوں کی سازش کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

یہی کیفیت انبیاء سابقہ (علیہم السلام) کی سیرت کے متعلق روایات کی ہے۔ جہاں تک عام حالات سے متعلق روایات کا تعلق ہے، جو روایات عقلِ عامہ یا علمی تحقیقات و شہادات کے خلاف ہیں، ہم انہیں بھی صحیح نہیں سمجھتے۔

(۹) مختصر الفاظ میں۔ جو فیصلہ۔ جو عقیدہ۔ جو نظریہ۔ یا سیرت طیبہ کے متعلق جو روایت قرآن کے خلاف ہو۔ یا حضورؐ کی شان کے خلاف۔ ہم اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ نہ حضورؐ کا کوئی حکم قرآن کے خلاف ہو سکتا تھا۔ نہ کوئی قول یا فعل اُس کے مخالف۔

بالفاظِ دیگر دینی امور اور کوائف سیرت مقدسہ میں غلط اور صحیح کا معیار قرآن ہے۔

یہ ہے مختصر الفاظ میں حدیث کے متعلق طلوع اسلام کا مسلک جسے وہ برسوں سے پیش کرتا چلا آ رہا ہے۔ و فیہا بصائر لقوم یعقلون۔

سلیم کے نام

مذہب کے متعلق نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں جو شکوک و شبہات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اُن کا نہایت شگفتہ اور شاداب جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات۔ قیمت چھ روپے۔ ملنے کا پتہ: ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

انتہائی کم قیمت پر بہترین کپڑا

9600

اعلیٰ درجہ کی سفید شرٹنگ

مُرغا چھاپ سفید شرٹنگ

دل چھاپ ساٹن ڈرل وغیرہ

میسرز علی محمد اسمٰعیل 39 A/S مولجی جیٹھا مارکیٹ۔ کراچی

نیز

اسٹال:۔ سل اونرز ریٹیل کلاتھ مارکیٹ پُرانی نمایش بندر روڈ ایکس ٹینشن کراچی سے بھی مل سکتا ہے

داؤد کاٹن ملز لمیٹڈ۔ کراچی

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ

شہادت القرآن

علیٰ

جمع القرآن

مؤلفہ

شیخ عطاء اللہ مرحوم (وکیل گجرات)

شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

دین کا مدار اس ایمان پر ہے کہ

(۱) قرآن کریم نبی اکرمؐ پر اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعے نازل ہوا۔

(۲) نبی اکرمؐ نے اس قرآن کو لفظاً لفظاً امت تک پہنچایا۔ اور حضورؐ اس کی کامل حفاظت کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور

(۳) اب جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ حرفاً حرفاً وہی ہے جسے رسول اللہؐ نے امت کو دیا تھا۔ اگر ان حقائق کے متعلق ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو دین کی عمارت کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔

مسلمانوں کو اصل دین سے بیگانہ بنانے کے لئے مخالفین کی طرف سے جو سازشیں ہوئیں ان میں سب سے بڑی سازش یہ تھی کہ خود قرآن کے متعلق ایسے خیالات عام کر دیئے جائیں جن سے اس کے محفوظ ہونے کے یقین میں تزلزل پیدا ہو جائے۔ اس کے لئے کیا یہ گیا کہ بہت سی روایات وضع کر دی گئیں جن میں یہ بتایا گیا کہ

(۱) رسول اللہؐ نے قرآن کا کوئی نسخہ خود جمع اور مرتب نہیں کرایا تھا بلکہ اسے یونہی منتشر حالت میں چھوڑ کر آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں (حضرت عمرؓ کے ایماء پر) قرآن کو جمع اور مرتب کرنے کا کام حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد ہوا۔ چنانچہ انہوں نے "کاغذ کے ٹکڑوں۔ کھجور کے پتوں۔ پتھر کے ٹکڑوں اور حافظوں کے سینوں" سے آیات قرآنی کو تلاش کرنا شروع کیا۔ ان سے کہا یہ گیا تھا کہ "آپ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور جو شخص کتاب اللہ کے متعلق کسی چیز پر دو گواہ پیش کرے اسے قرآن میں لکھ لیں"۔

(۳) بعض روایات میں ہے کہ جمع القرآن کا کام حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں شروع کیا تھا اور ہنوز یہ مکمل نہیں ہونے پایا تھا کہ آپ کی شہادت ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی تکمیل حضرت عثمانؓ نے کی۔

(۴) جو قرآن اس طرح جمع اور مرتب کیا گیا اس میں کئی اختلافات تھے۔ چنانچہ ان اختلافات پر صحابہ میں (معاذ اللہ) باہمی جھگڑے بھی ہوتے تھے۔

(۵) بعض آیات قرآن میں سادرج ہی نہیں ہو سکیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ وہ آیات ان کے صحیفے میں لکھی تھیں۔ رسول اللہؐ کی وفات پر جب گھر کے لوگ اس حادثہ میں مشغول ہو گئے، تو اس صحیفہ کو ان کی بکری کھا گئی۔ (معاذ اللہ)

(۶) ان آیات (بالخصوص آیۂ رجم) کے متعلق حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ قرآن میں درج نہیں ہو سکی لیکن اس کا حکم بدستور باقی رہے گا۔

(۷) مختلف صحابہؓ کے پاس قرآن کے مختلف نسخے تھے جن میں باہمی اختلافات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔

ان روایات کی رُو سے قرآن کے متعلق جو نقشہ ذہن کے سامنے آتا ہے اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیات (نہی تھیں لیکن زبر شتی ہے) یہ احادیث کے ان مجموعوں میں شامل ہیں جنہیں صحیح اور مستند قرار دیا جاتا ہے۔

قرآن کے خلاف اس سازش کا پردہ چاک کرنے کے لئے طلوعِ اسلام مسلسل کوشش کرتا چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں (متفرق شذرات وغیرہ کے علاوہ) اگست، ستمبر ۱۹۵۲ء کے شمارہ میں محترم علامہ تمنا عمادی مدظلہٗ کا ایک مبسوط مقالہ شائع کیا گیا تھا جس میں (اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں) ان تمام روایات کا تنقیدی جائزہ لے کر یہ ثابت کیا گیا تھا کہ یہ سب وضعی ہیں اور قرآن کریم خود نبی اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ میں اسی شکل میں مرتب شدہ موجود تھا۔

اس کے بعد، طلوعِ اسلام میں ایک اور مفصل مقالہ شائع ہوا جس میں ان روایات کی تنقید کے بعد خود قرآن کریم سے یہ ثابت کیا گیا کہ رسول اللہ کی زندگی میں قرآن جمع اور مرتب ہو چکا تھا۔ یہ مقالہ "مقامِ حدیث" جلد دوم میں شائع ہو چکا ہے۔

گجرات (مغربی پاکستان) میں شیخ عطاء اللہ صاحب ایک وکیل ... نے ... اپنے شوق سے ... ۱۹۵۱ء میں "شہادت الازمنان علی جمع القرآن" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں قرآنی آیات سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ قرآن کریم نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا۔ اس کتاب کی ہمیں مدت سے تلاش تھی۔ لیکن یہ کتاب دستیاب نہیں ہوتی تھی۔ بالآخر شیخ صاحب مرحوم کے ایک عزیز (جن کا اسم گرامی بھی شیخ عطاء اللہ صاحب ہے) کی وساطت سے ہمیں اس نایاب کتاب کا ایک نسخہ ہمیں مل گیا ہے (جس کے لئے ہم ان کے تہ دل سے شکرگزار ہیں)۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے محفوظ کر لیا جائے۔ لہٰذا ہم اسے بہ تمام و کمال طلوعِ اسلام کی زیرِ نظر اشاعت میں شائع کر رہے ہیں۔ اس میں ہم نے کہیں کہیں توضیحی یا اختلافی نوٹ بھی دے دیئے ہیں لیکن ان سے کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔

کتاب سے پہلے، صاحبِ کتاب کا تعارف، محترم عرشی صاحب کے قلم سے، آپ کے سامنے آئے گا۔ اس کے لئے ہم عرشی صاحب کے شکرگزار ہیں۔

شیخ عطاء اللہ وکیل گجرات

اور

شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن

(محترم عرشی صاحب)

خطۂ یونانِ گجرات

"ہم سر سید کے گرد حلقہ باندھے ہوئے بیٹھے تھے۔ عشق و عقیدت کی نگاہیں ان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور کان ان کی میٹھی پیاری باتوں سے لذت یاب ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک غضبناک بڑھا شکستہ حال و پریشان صورت ہمارے کمرے کے دروازے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اور آتے ہی اول جلول بکنا شروع کر دیا۔ اس کا روئے عتاب سر سید کی طرف تھا۔

"تیرا ستیاناس! تو نے دین کا ستیاناس کر دیا، تو نے اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا، ناموس رسالت سے گستاخیاں کیں تو کافر ہے ملعون ہے، جہنمی ہے" وغیر ذالک من الهفوات

میرا جوانی کا زمانہ تھا اور رئیس زادگی کا غرور، سر سید جس نے ہمارے خون میں زندگی کی لہر پیدا کر دی تھی، اس کی یہ توہین برداشت نہ کر سکا، غصے سے بھرا ہوا اٹھا کہ اس ناہنجار بوڑھے کو دھکے دے کر باہر نکال دوں۔

سر سید جو اُس وقت تک اُس کے سب دشنام کو سکون و وقار اور پُر معنی خاموشی سے سُن رہے تھے، ذرا تیز لہجے میں میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے ڈانٹ کر کہا

"بیٹھ جاؤ! گالیاں دینے والے کی نیت اور اس کے جذبے کو دیکھو۔ میں نے اس کو کوئی ذاتی نقصان نہیں پہنچایا، لیکن اس کے خیال میں میں نے اس کے دین کو خراب کر دیا ہے۔ وہ اس اعتقادی اور ایمانی صدمے کو برداشت نہیں کر سکا، اس کی غیرت کی قدر کرنی چاہیئے"

اس کے بعد اہل مجلس پر اور گالیاں دینے والے پر جو ساحرانہ اثر ہوا ہوگا، اس کا اندازہ ہر صاحب فہم لگا سکتا ہے۔ وہ آج

گجرات (سابق صوبہ پنجاب) کا ہے۔ اور راوی رئیس گجرات شیخ غلام حیدر مرحوم ہیں، جن کو راقم نے آج سے کوئی تیس برس پہلے بڑھاپے کی حالت میں دیکھا اور ان کی زبان سے ان کی یہ آپ بیتی سنی۔ اس عمر میں بھی وہ نہایت پرجوش عاشقِ قرآن تھے۔

جب سرسید پر فتووں کی بوچھار ہوتی تھی اور مسلمانوں کی اکثریت ان کی خون کی پیاسی ہو رہی تھی۔ گجرات کے اہل البصیرت نوجوانوں نے اُن کی آواز پر لبیک کہی اور اُن سے ممکن تعاون کیا۔ سرسید نے جن لوگوں کی ذہانت سے متاثر ہو کر مشہور فقرہ "خطۂ یونان گجرات" اپنی زبان سے ادا کیا، ان میں سے چند نام جو مجھے یاد رہ گئے حسبِ ذیل ہیں۔

شیخ غلام حیدر رئیس گجرات۔ سید عمر شاہ۔ مفتی محمد دین وکیل۔ پیر قمرالدین بالقابہ و مناصبہ۔ شیخ عطاء اللہ وکیل[ا]۔

ان اصحاب کے زیرِ اثر بہت سے لوگ سرسید کے ہم نوا بن گئے۔ پیر قمرالدین کو میں نے اس وقت دیکھا، جب وہ ریٹائر ہو چکے تھے۔ بہت بڑی باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے ان کو کرسیِٔ عدل ہی کے لئے وضع کیا ہے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ جب کسی خطرناک مجرم کو انتہائی سزا دینا ہوتی تھی تو پہلے دو رکعت نفل ادا کرتے تھے جس کا مطلب بارگاہِ الٰہی میں یہ التجا ہوتی تھی کہ قلم کی زبان سے انصاف کے خلاف کوئی لفظ نہ نکل جائے۔۔۔۔ آخری زمانے میں گجرات میں ہمارا ایک تبلیغی وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے حیرت سے دیکھا، کہ آں جاہ و مرتبت اکل و شرب کا سامان خود اٹھا اٹھا کر لاتے۔
—— یہ تھا اسلامی اخلاق کا اثر۔

سرسید کے ان نوجوان فداکاروں کی روح شیخ عطاء اللہ وکیل تھے، جو علم، ذہانت، حافظہ، ذوق، تحقیق، عشقِ قرآن اور اخلاص و دیانت میں اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے گجرات میں ایک انجمن (غالباً) تعلیم القرآن کے نام سے قائم کر رکھی تھی۔ اس کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر قرآنی نقطۂ نگاہ سے پمفلٹ اور رسائل مرتب کر کے شائع کئے جاتے تھے۔ جو شیخ عطاء اللہ ہی کی کد و کاوش کا نتیجہ ہوتے تھے۔ شیخ صاحب کو نام و نمود اور شہرت سے قطعاً لگاؤ نہیں تھا۔ اس لئے عموماً یہ رسالے کسی دوسرے کے نام سے یا محض انجمن کی طرف سے شائع ہوتے تھے۔

ان کی آخری یادگار۔ رہا یہ ایک قرآنی لغت تھا جس کی مثال ہمارے سیزدہ صد سالہ لغت کے ذخیرے میں نہیں ملتی۔ قبل اس کے کہ میں ان سطور کے قارئین کا تعارف اس بے مثل لغت سے کراؤں، یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مرحوم کو قرآن کا یہ گہرا ذوق کہاں سے ملا؟

اس کے متعلق انہی کی زبانی ایک روایت سن لیجئے جس کا دھندلا سا تاثر میرے ذہن میں محفوظ رہ گیا ہے۔ ایک صحبت میں اُنھوں نے یوں ذکر کیا۔

"زمانہ طالب علمی میں ایک دفعہ میں اپنے گھر والوں (غالباً والد) سے روٹھ کر گھر سے نکل گیا —— گھر سے تو نکل گیا۔ لیکن

[ا] ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض اس وقت چھوٹے ہوں اور انھیں اپنے بزرگوں کی وساطت سے سرسید کا فیض پہنچا ہو۔

اب جاؤں کہاں؟ کوئی قریبی پناہ نظر نہ آئی۔ سیدھا علی گڑھ کا رخ کیا اور سرسید کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ انھوں نے میرے حالات معلوم کئے اور شفقت کا ہاتھ سر پر رکھا۔"

اس کے بعد کیا ہوا، لکھنے والے کو یاد نہیں رہا۔ آخر یہی ہوا ہوگا کہ سرسید نے نوخیز عطاء اللہ کے والد کو لکھ دیا ہوگا کہ فکر نہ کرنا، آپ سے روٹھا ہوا بچہ چچا کے پاس پہنچ گیا ہے ——— پھر یا تو باپ علی گڑھ پہنچ کر لے آئے ہوں گے یا سرسید نے چند دن پاس رکھ کر سمجھا بجھا کر گھر روانہ کر دیا ہوگا۔

اتنی سی بات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ سرسید کے ساتھ خاص تعلقات تھے۔ ان کی صحبت سے مستفیض و متاثر ہو چکے تھے۔ ان کے تفسیری و تعلیمی خیالات کو عنفوان شباب ہی میں بہت کچھ اپنا چکے تھے۔

لیکن جب راقم نے ان کو دیکھا اور ان کی گفتگوئیں سنیں تو وہ سرسید کے جامد مقلد معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اب وہ خود محقق بن چکے تھے۔ ہر مسئلے کے متعلق خود تحقیق کرتے اور قرآن و عقل کی روشنی میں اس کے دلائل مہیا کرتے تھے۔ بحث مباحثہ نہیں کرتے تھے، لیکن نہایت نرمی و معقولیت سے اپنی تحقیق پیش کرتے اور ہر ہر بات پر ان کی دور رس نگاہ قرآن کے گوشوں سے جواہر آیات ڈھونڈ کر نکال لاتی۔

اب آئیے اس لغت کی عبرتناک کہانی کی طرف ——— شیخ صاحب قرآن کے ہر لفظ کے معنی متعین کرنے کے لئے قرآن ہی سے رسی لیتے۔ یا متعدد آیات ڈھونڈ نکالتے جن میں یا زیر غور لفظ کا کوئی متقابل و متضاد لفظ مل جاتا۔ اس طرح وہ متضاد المعنی الفاظ آمنے سامنے آکر ایک دوسرے کی قطعی وضاحت کر دیتے اور تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔ کی عملی شکل سامنے آجاتی۔ ان کے اندر یہ ذوق تلاش اتنا رچ چکا تھا کہ ان کا دماغ قریب قریب ہر وقت کسی نہ کسی لفظ کا مفہوم تلاش کرنے میں مصروف ہوتا تھا۔ پھر جب بھی کسی ہم ذوق شخص سے ملاقات ہوتی تو اسی موضوع پر باتیں ہوتیں۔ ان سے ملنے والے خاص خاص الفاظ کا مطلب پوچھتے، وہ ان کے متعلق پہلے سے سوچی ہوئی آیات پیش کر دیتے۔ بسا اوقات پوچھنے والا دنگ رہ جاتا۔

آخر عمر میں جب وہ قریب قریب اکثر مفردات قرآن کو اپنے طریقے کے مطابق حل کر چکے تو امراض خصوصاً ذیابیطس نے ان پر غلبہ پا لیا۔ اب ان کو فکر ہوئی کہ کس طرح یہ عمر بھر کی محنت ٹھکانے لگ جائے۔ انھوں نے یہ خزانہ علم و عرفان میرے سپرد کرنا چاہا اور مجھے لکھا کہ چند دن گجرات آکر میرے پاس رہو اور مجھ سے اس کے متعلق سمجھنے کی باتیں سمجھ لو۔" میں نے اپنے حالات کی مجبوری پیش کر کے لکھا کہ آپ امرتسر تشریف لے آئیں۔ یہاں کے سب دوستوں سے ملاقاتیں بھی رہیں گی اور لغت کے متعلق بھی استفادہ ہو سکے گا۔ انھوں نے ذیابیطس، نقاہت اور بڑھاپے کا عذر پیش کیا۔ اسی طرح کچھ دنوں ادھر ادھر سے خط و کتابت ہوتی رہی۔ آخری نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے مسودات سب مجھے بھجوا دیے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا اور میں حالات و فرصت کا منتظر رہا کہ موقع ملے تو ان بکھرے ہوئے پھولوں کو گلدستے کی شکل میں مرتب کر دوں۔

تقسیم ملک سے تھوڑا عرصہ قبل میں نے اس لغت کا نمونہ ایک ورق میں نقل کر کے مولانا ابوالکلام صاحب کی خدمت میں

بھیجا یا اور پوچھا کہ کیا قدما میں سے کسی نے ایسی کوشش کی ہے؟ اور اس کی اشاعت کے متعلق آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟

ان کا جواب یہ آیا کہ ایسا لغت آج تک تیار نہیں ہوا۔ اس کو ضرور شائع کرنا چاہیئے۔ اور اس کے کسی ناجائز نسخ کی اجازت نہیں رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ صرف خواص علماء کے کام کی چیز ہوگی۔

میں نے اپنی عدیم الفرصتی کے پیش نظر ایک عالم دوست بزرگ کو یہ کام سونپا اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ اسے تکمیل تک پہنچائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی وقت نہ نکال سکے۔ اور مسودات پھر میرے پاس پہنچ گئے۔ تب تقسیم ملک۔ مجھے کراچی آنا پڑا۔ ۱۹۴۷ء کا جون، جولائی، اگست کراچی میں قیام رہا۔ اسی دوران میں وہ انقلاب آیا جس کی مثال بقول مورخ اسلام مولانا اسلم جیراجپوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ میرے رفقاء و اعزہ اپنے اوڑھنے بچھونے کے سامان جو اٹھائے جا سکتے تھے اٹھا لائے اور کتابوں کا ذخیرہ جو ان کے خیال میں کوئی کام کی چیز نہیں تھی۔ وہیں چھوڑ آئے۔ تقسیم ملک کے انقلاب نے جہاں بے شمار انسانی جانوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا وہاں بے اندازہ علمی جواہرات کو بھی ہمیشہ کے لئے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ صرف امرتسر میں کتنے ہی کتب خانے تھے جن کا راقم کو ذاتی طور پر علم ہے کہ ان میں عربی، فارسی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، پہلوی وغیرہ زبانوں میں مختلف علوم سے متعلق بڑے بڑے مطبوعہ ذخیرے اور قلمی نوادر تھے۔ جو اپنے مالکوں کی بہترین جائداد تھے۔ انہی میں سے ایک امت مسلمہ امرتسر کا کتب خانہ تھا جس کے قلمی ذخیرے میں سب سے زیادہ نادر کتاب زیر تذکرہ لغت تھا۔ میرا جو کچھ علمی و مادی سرمایہ تھا سب ختم ہو گیا۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ دکھ اس لغت کے اتلاف کا ہوا۔ یہ ایک ایسا زخم ہے جو کسی طرح مندمل نہیں ہو پاتا۔ یاد کرتا ہوں اور آہیں بھرتا ہوں۔

جب نام ترا لیجئے تب اشک بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

اب اس لغت کا نمونہ پیش کرتا ہوں۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ عوامی دلچسپی کی چیز نہیں ہے۔ اس سے صرف خواص علماء حظ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ ایک کوشش تھی جو ابتدائی ہونے کے باوجود بہت کچھ تکمیل کے قریب قریب تھی۔ اس کو سامنے رکھ کر اہل علم اس میں مفید اضافے کر سکتے تھے۔ اب بھی پیش نظر نمونے سے اس کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

طعم۔ اطعام۔ جوع۔ امن۔ خوف — أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ

عجل۔ عاجلہ ۔۔۔ اخر۔ اخرہ — تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ (قیامہ ۲۰-۲۱)

قدم ۔ اخر — يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ (قیامہ ۱۳)

نضر۔ ناضرہ۔ بسر۔ باسرہ

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ...... وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ (قیامہ ۲۲ تا ۲۴)

صدق۔ کذب ۔۔۔ صلوٰۃ، صلی ۔۔ تولی

لَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ (قیامہ ۳۱، ۳۲)

خیر ۔ شر	مَن یَعمل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ خَیراً یَرَہٗ ؛ مَن یَعمَل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ شَرّاً یَرَہٗ
باطل ۔ حق	جَآءَ الحَقُّ وَ زَھَقَ البَاطِلُ
بطن ۔ ظہر	وَ ذَرُوا الاِثمِ مَا ظَھَرَ مِنھَا وَ مَا بَطَنَ
بر ۔ بحر	ظَھَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ وَ البَحرِ
زیغ ۔ ھدی	لَا تُزِغ قُلُوبَنَا بَعدَ ھَدَیتَنَا
ضل ۔ ھدی	وَ جَدَکَ ضَآلّاً فَھَدٰی
رتق ۔ فتق	کَانَتَا رَتقاً فَفَتَقنَا ھُمَا
خطاء ۔ عمد	مَن قَتَلَ مُؤمِناً خطاءً ..... مَن یَقتُل مُؤمِناً مُتَعَمِّداً
سعد ۔ شقو	فَمِنھُم شَقِیٌّ وَ سَعِیدٌ
جحیم ۔ نعیم	اِنَّ الاَبرَارَ لَفِی نَعِیمٍ
فجار ۔ بر	وَ اِنَّ الفُجَّارَ لَفِی جَحِیمٍ
مرض ۔ شفا	اِذَا مَرِضتُ فَھُوَ یَشفِینِ

میرے سامنے اس وقت تلف شدہ لغت کا کوئی مسودہ نہیں جس سے میں نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ میں نے نمونہ دکھانے کے لئے یہ الفاظ و آیات خود تجویز کئے ہیں۔ اس میں کوئی سقم ہو تو اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض الفاظ کے ایک سے زیادہ نقیض وارد ہوئے ہیں۔ جیسے کہ پیش کردہ الفاظ میں "ھدی" کے مقابل "زیغ" اور "ضل" اور "اخر" کے مقابلے میں "قدم" اور "اولی" لائے گئے ہیں۔[1]

الٰہی شیخ عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف یہ بے شان کتاب ہے جو اس وقت پیش نظر ہے۔ اب تک بالعموم قرآن کی جمع و ترتیب اور حفاظت کے متعلق روایات پر انحصار کیا جاتا تھا، اور وہ روایات آپس میں اس قدر گتھم گتھا ہو رہی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ اگر ان تمام روایتوں کو ایک جگہ جمع کر کے کسی غیر جانبدار محقق کے سامنے رکھ دیا جائے تو وہ قرآن کی ترتیب و حفاظت کے متعلق کسی معقول اور قطعی نتیجے پر ہرگز نہیں پہنچ سکے گا۔ شیخ صاحب مرحوم نے اس کتاب میں خود قرآن کے اندر سے سینکڑوں ایسی شہادتیں تلاش کرنے میں عظیم کامیابی حاصل کی ہے جو نصوص صریح پر مبنی ہیں۔ جن میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ جن کے

---

[1] محترم پرویز صاحب کے مرتب کردہ قرآنی لغت میں (جس کا مسودہ مکمل ہو چکا ہے) تقابلی انداز سے قرآنی الفاظ کے معانی کی وضاحت کا طریق بھی اختیار کیا گیا ہے۔ اس لئے اس میں یہ تمام الفاظ اسی انداز سے آ گئے ہیں۔ (طلوع اسلام)

مطالعہ سے لا محالہ ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم منشائے الٰہی کے مطابق حیات نبوی میں اسی شکل میں مرتب و محفوظ ہو چکا تھا، جس شکل میں آج تک اطراف عالم میں شائع ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس میں کسی لفظ و حرف، اور حرکت و سکون میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا۔ متن قرآن کے بے شمار علمی معجزات کے ساتھ اس کی بیشانِ ترتیب اور اپنے اندرونی دعوے کے مطابق یہ حیرت انگیز محفوظیت بھی ایک عجیب و غریب معجزہ ہے جس کی مثال دنیا کی کوئی کتاب پیش نہیں کر سکتی۔ شیخ مرحوم کا یہ عدیم النظیر کارنامہ اس قابل ہے کہ اس کو زندہ رکھا جائے اور علم و تحقیق کی نظروں کے سامنے لایا جائے۔

اس کتاب کا نام انھوں نے بجا طور پر "شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن" رکھا ہے۔ اس میں انھوں نے ناقابل تردید دلائل سے ثابت کیا ہے کہ

۱۔ کلمات وحی کی جمع و ترتیب کتاب کی شکل میں انبیاء کی سنت قدیم ہے۔

۲۔ نزول قرآن کے وقت کاغذ اور کتابت کا رواج جاری تھا۔

۳۔ قرآن کے نزدیک تحریر و کتابت ناگزیر اہمیت رکھتی ہے۔

۴۔ نزول قرآن کے دوران میں مومنوں، مخالفوں، معترضوں کی زبان سے قرآن کے بصورت کتاب ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

۵۔ وحی قرآنی کی کتابت ایک جماعت صحابہ کے سپرد تھی۔

۶۔ قرآنی الفاظ نزول کے وقت ہی لکھ کر شامل کتاب کئے جاتے تھے۔

۷۔ حفاظت قرآن کے متعلق مزید متفرق دلائل۔

۸۔ قرآن سے متعلق صحابہ کرامؓ کی خدمات۔

۹۔ قرآن ایک کامل و کافی کتاب ہے۔

اب اصل کتاب ملاحظہ کیجیے۔ یعنی **شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن** از مؤلفہ شیخ عطاء اللہ مرحوم وکیل گجرات۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝

تمہید

مذہب اسلام کا ظہور اور قرآن مجید کی اشاعت

دُنیا کے جلیل القدر مذاہب میں سے اسلام آخری مذہب ہے۔ اس کا ظہور برِ اعظم ایشیا کے ملک عرب میں ہوا۔ اس مذہب نے اُس خطرناک زمانے کا خاتمہ کیا جس میں اہلِ عالم کی عملی حالت بالکل بگڑ چکی تھی، چاروں طرف ظلمت اور ضلالت کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ انسان اپنے اعمالِ بد کے حسرتناک نتیجے بھگت رہے تھے۔ انسانی شرافت کے جوہر اخلاقی کثافت کی وجہ سے قریباً زائل ہو چکے تھے۔ دیکھو آیتِ ذیل

(۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ $\frac{۳۰}{۴۰}$ پ ۲۱ ع ۶

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمالِ بد ہی کی وجہ سے فساد پھیل گیا، تاکہ اللہ ان کے بعض اعمال کا نتیجہ ان کو چکھائے تاکہ وہ باز آئیں۔

لہ $\frac{۳۰}{۴۰}$ = قرآن مجید کی سورت کا نمبر / سورۃ کی آیت کا نمبر

پ سے پارۂ قرآن مجید اور ع سے رکوع پارہ مراد ہے۔

اس مذہب کے ہادیٔ برحق کا مقدس اور قابلِ احترام نام **محمد رسول اللہ** (علیہ سلام اللہ و صلواتہٗ) ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس پُرآشوب زمانے میں شمعِ ہدایت روشن کر کے دُنیا کو سلامتی کی راہیں دکھلا دیں، حسنات و برکات سے بہرہ ور کیا، نوعِ انسان کے واسطے مواعظِ الٰہی کا پُرحکمت سلسلہ جاری کیا، روحانی بیماریوں کا علاج بتلایا، صراطِ مستقیم کے آرزومندوں کے واسطے ہدایت اور رحمت کے دروازے کھول دیئے، دیکھو آیات ذیل:-

(۲) قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (۵ : ۱۵-۱۶) پ ۶ ع ۷

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی یعنی کتاب (ہر ایک بات کو) بیان کرنے والی آئی ہے۔ اللہ اس سے سلامتی کے رستوں کی اُس شخص کو ہدایت کرتا ہے جو اُس کی رضامندی چاہتا ہے اور اُن کو اپنے حکم کے ذریعے اندھیروں سے روشنی میں نکالتا ہے اور اُن کو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔

(۳) يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۰ : ۵۷) پ ۱۱ ع ۱۱

اے لوگو بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے، اور علاج اس بیماری کا جو دلوں میں ہے اور ایمان لانے والوں کے واسطے ہدایت اور رحمت ہے۔

اس ہادیٔ عالم کا سلسلۂ نسب اپنے جدِ اعلیٰ جناب ابراہیم علیہ السلام کے خاندانِ رسالت سے بواسطۂ جناب اسماعیل علیہ السلام ملتا ہے۔ ان دونوں بزرگواروں نے ملکِ عرب میں ایسے رسول کی بعثت کے واسطے دُعا کی، اور جس کو جناب باری تعالیٰ نے قبولیت کا شرف بخشا، اس کا ظہور اسی فخرِ دو عالم کے وجودِ باجود سے ہوا۔ دیکھو آیات ذیل

(۴) وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَٱجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَٱبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ۝ (۲ : ۱۲۷—۱۲۹) پ ۱ ع ۸

اور جب ابراہیم کعبہ کی دیواریں اٹھا چکا اور اسماعیل (اس کے ساتھ تھا، تو دونوں نے کہا) اے ہمارے رب اس کو ہم سے قبول کر بے شک تو سُننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھ، اور ہماری اولاد کو اپنی فرمانبردار اُمت

بنا۔ اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے دکھا۔ اور ہم کو معاف کر بے شک تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے رب ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کر کہ ان کو تیرے احکام سُنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو تزکیۂ نفس کی راہ بتلائے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

اِن آیات سے امور ذیل معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ بیت اللہ کی تعمیر میں جناب ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام دونوں شریک تھے۔

۲۔ تعمیر کے زمانے میں جناب اسماعیل علیہ السلام مُکلف تھے، یہ امر اُن کی ان دعاؤں سے ظاہر ہے جو انھوں نے تعمیر بیت اللہ سے مانگیں اور جن کے مانگنے کے مکلف ہونے کے بعد ہی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ دونوں قابلِ ادب اجداد نے شاخ جناب اسمٰعیلؑ کی ذُرّیت میں اور مُلکِ عرب میں جہاں بیت اللہ کی تعمیر کی تھی ایک رسول کے مبعوث ہونے کی دُعا کی۔

یہ بیت اللہ جس کی تعمیر کرنے والے دو اولوالعزم رسول باپ بیٹا تھے اور جس کو اوّل بنانے کے وقت ہی مرجع عالم قرار دینا منظور تھا اس کی عزت ملکِ عرب کے شہر مکہ کو حاصل ہوئی دیکھو آیتِ ذیل:

(۵) اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ (آل عمران پ ۴ ع ۱)

بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (اللہ کی عبادت کرنے کو) بنایا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے، مبارک اور (موجب) ہدایت ہے اہل عالم کے لئے اس میں صریح نشانیاں ہیں مقام ابراہیم کی۔

اس دعا کے قبول ہونے پر برکاتِ آسمانی کے نزول کے واسطے جناب ابراہیم علیہ السلام نے وادیٔ مکہ میں اسی بیت اللہ کے قریب ایک مقام پر اپنی پیاری اولاد کو آباد کیا تاکہ بُت پرستی دُور ہو اور اُس کی جگہ عبادتِ الٰہی کا سلسلہ مستقل طور پر قائم ہو۔ دیکھو آیاتِ ذیل:

(۶) وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِىْ وَ بَنِىَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ (ابراہیم پ ۱۳ ع ۱۸)

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب کر دے اس شہر (مکہ) کو امن والا، اور مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے الگ رکھ

(۷) رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ
ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ (۱۴/۳۷ پ ۱۳ ع ۱۸)

اے ہمارے رب بے شک میں نے اپنی بعض اولاد کو بن کھیتی کے میدان میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس آباد کیا ہے۔ اے ہمارے رب اس آبادی کی غرض یہ ہے کہ وہ صلوٰۃ قائم رکھیں۔

ان آیات میں امورِ ذیل بتلائے گئے ہیں

۱۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بعض اولاد کو وادیٔ مکہ میں آباد کیا

۲۔ آبادی کا موقع بیت اللہ کے متصل تھا جس کو دونوں بزرگوں نے مل کر تعمیر کیا تھا۔

۳۔ آبادی کی غرض یہ تھی کہ تعمیر بیت اللہ کے بعد بُت پرستی کی جگہ خالص رَبُّ العالمین کے حضور میں مستقل سلسلہ ادائے صلوٰۃ قائم ہو۔

دونوں برگزیدہ رسول اس امر کو اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھتے رہے جس کی کیفیت آیاتِ ذیل سے معلوم ہوتی ہے۔

(۸) رَبِّ ٱجۡعَلۡنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِيۚ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ

(۱۴/۴۰ پ ۱۳ ع ۱۹)

اے میرے رب مجھ کو صلوٰۃ قائم رکھنے والا کر اور میری اولاد کو بھی اے ہمارے رب میری دُعا قبول فرما۔

(۹) وَٱذۡكُرۡ فِي ٱلۡكِتَٰبِ إِسۡمَٰعِيلَۚ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ ٱلۡوَعۡدِ وَكَانَ
رَسُولٗا نَّبِيّٗا ۝ وَكَانَ يَأۡمُرُ أَهۡلَهُۥ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ وَكَانَ
عِندَ رَبِّهِۦ مَرۡضِيّٗا ۝ (۱۹/۵۴ پ ۱۶ ع ۴)

اور کتاب میں والے رسول، اسماعیل کا حال یاد کر بے شک وہ وعدے کا سچا تھا۔ اور رسول نبی تھا، اور اپنے اہل کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا۔

آیت نمبر (۸) میں جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے، کہ جس اقامتِ صلوٰۃ کی خدمت پر وہ مامور ہیں اُس پر وہ اور اُن کی اولاد استقلال سے قائم رہے۔

آیت نمبر (۹) میں ہے کہ جناب اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے قابلِ احترام باپ کی منشا کو پورا کیا اور اپنے تابعین کو ہمیشہ ادائے صلوٰۃ کا حکم دیتے رہے[1]۔

---

[1] خاندانِ حضرت ابراہیم کے آفتاب جنابِ رسالتمآب کو بھی نہایت استقلال سے اسی اہم خدمت کے انجام دینے کا حکم ہوا۔ دیکھو آیاتِ ذیل :-

(باقی اگلے صفحہ پر)

چونکہ رسولِ موعود کی بعثت اسی مُلک اور اسی ذُرّیت رادلادمیں مقدر تھی جس کا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس واسطے چشمۂ ہدایت کے اُبلنے کا مقام بھی ملکِ عرب میں ربّ الناس کا معبدِ اوّل ہی قرار پایا اور نورِ ہدایت بھی عربی زبان میں جلوہ افروز ہوا اور دعا مندرجہ آیت نمبر (۴) کی قبولیت کا اُسی شکل میں اعلان کیا گیا جس میں وہ بیت اللہ کی تعمیر ہو جانے کے وقت مانگی گئی تھی۔ دیکھو آیتِ ذیل۔

(۱) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۳/۱۵۸ پ ۴ ع ۸)

بے شک اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جب اُن میں اُنھیں میں سے رسول بھیجا ہے جو اُن کو اللہ کے احکام پڑھ سناتا ہے اور ان کو تزکیۂ نفس کی راہ بتلاتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

انبیاء سابقین کے ذریعے دُنیا کو اسی رسالت کی بشارت مل چکی تھی چنانچہ ظہورِ اسلام کے مبارک زمانے میں ان جماعتوں کو جو آسمانی مذاہب کی پابند تھیں اُن بشارات کی طرف توجہ دلائی گئی جو پہلے نبیوں کی کتابوں میں اسی رسالتِ عظیمہ کے حق میں مرقوم تھیں۔ دیکھو آیاتِ ذیل:-

(۱) وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَوَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَ لَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا

بقیہ: پچھلے صفحہ کا بقیہ فٹ نوٹ

(۱) وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (۲۰/۱۳۲ پ ۱۶ ع ۸)

اور (اے رسول) اپنے اہل کو صلوٰۃ قائم رکھنے کا حکم دے اور اس پر صبر کر۔

(۲) اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (۲۹/۴۴ پ ۲۰ ع ۱)

پڑھ سنا کتاب سے جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے اور قائم رکھ صلوٰۃ بے شک صلوٰۃ برائیوں سے اور بُت پرستی سے روکتی ہے اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ○ ۲۶/۱۹۲ — ۱۹۹ پ ۱۹ ع ۱۶

اور یہ ترتیب قرآن رب العلمین کی ہے اِس کو روح الامین تیرے قلب پر لایا ہے تاکہ تو آگاہ کرنے والوں میں سے ہو۔ عربی مبیّن کرنے والی زبان میں اور بے شک یہ پہلے نبیوں کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ کیا ان لوگوں کے واسطے نشان نہیں ہے کہ اس امر کو بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں اور اگر ہم اس قرآن کو کسی عجمی پر نازل کرتے۔ پھر وہ اس کو انھیں پڑھ سناتا یہ لوگ اس کو نہ مانتے۔

۱۔ قرآن مجید اسی روح کے ذریعے سے جناب خاتم النبیین کے قلب پر نازل ہوا ہے جو امین تھی۔

۲۔ قرآنِ مجید کی اصلی زبان عربی ہے اور امورِ مندرجہ کی پوری وضاحت کرنے والی ہے۔

۳۔ مُلکِ عرب میں جناب اسماعیل علیہ السلام کی شاخ سے رسولِ موعود کے مبعوث ہونے کا حال پہلی کتابوں میں مرقوم ہے اور بنی اسرائیل کے علما اس امر کو جانتے ہیں۔

۴۔ ضرور تھا کہ یہ قرآنِ مجید اسی مُلک اور اسی ذُرّیت میں عربی زبان میں نازل ہو، تاکہ سلسلۂ بشارات بوجہِ احسن پورا ہو۔

جنابِ رسولِ موعود نے حسب ارشاد ربُّ العالمین اپنی گزشتہ اور موجودہ زندگی کو بڑی دلیری سے ابناءِ وطن کے سامنے پیش کیا اور اس امتحان میں اُن کو آزادی سے نکتہ چینی کا موقع دیا۔ اس طریقِ عمل نے اور بھی واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب قابلِ گرفت نہیں ہو سکتا اور قرآن مجید کی تعلیم سلامت روی اور صراطِ مستقیم پر مبنی ہے جس کا بڑا کام یہ ہے کہ لوگوں کو آنے والے سخت عذاب سے جو نتائجِ اعمال کی صورت میں ظاہر ہوگا قبل از وقت متنبہ کیا جائے دیکھو آیاتِ ذیل:

(۱) اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (۷/۱۸۴) پ ۹ ع ۱۰

کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی رسولِ موعود کو کچھ جنون نہیں ہے وہ تو صرف (بُری باتوں سے) علانیہ آگاہ کرنے والا ہے۔

(۲) قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۱۰/۱۶) پ ۱۱ ع ۱۰

(اے رسول) کہہ دے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ میں اس قرآن مجید کو تمھارے سامنے پڑھتا اور نہ اللہ تم کو اس سے آگاہ کرتا۔ پھر میں بے شک تم میں اس سے پہلے عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں کیا تم سوچتے نہیں۔

(۳) قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ○ (۳۴/۴۶) پ ۲۲ ع ۱۲

(اے رسول) کہہ دے میں تم کو صرف ایک امر کی نصیحت کرتا ہوں، یہ کہ تم اللہ کے لئے دو دو یا ایک ایک مل کر تیار ہو جاؤ

پھر غور کرو۔ تمھارے ساتھی (رسولِ موعود) کو کچھ جنون نہیں وہ تو صرف بُری باتوں سے علانیہ آگاہ کرنے والا ہے۔

انجام کار نہایت واضح طور پر بتلادیا کہ جس طرح عاملانِ قدرت شمس و قمر و نجم اپنی رفتار میں غلط راہ اختیار نہیں کرتے اسی طرح اس رسول کی زندگی بھی گمراہی سے محفوظ اور سرکشی سے مُبرّا ہے۔ دیکھو آیتِ ذیل۔

(۱۴) وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ (۵۳/۱-۲ پ ۲۷ ع ۲)

قسم ہے نجم کی جب وہ اپنا دورہ کرتا ہے تمھارا ساتھی (رسول موعود) نہ کبھی گمراہ ہوا ہے اور نہ سرکش ہوا ہے۔

جناب ممدوح کے واقعی منصب کی نسبت کبھی کوئی غلط فہمی پیدا نہیں کی گئی نہ کوئی ابہام رکھا گیا ہے، بلکہ نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا کہ یہ رسول قدرت کے خزانوں کا مالک نہیں، غیب نہیں جانتا، فرشتہ نہیں، منفعت اور مضرت میں اس کی ذات بھی اور انسانوں کی طرح اللہ تعالےٰ کے بنائے ہوئے قوانینِ قدرت کے تابع ہے۔ اس کا منصب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے تابع ہو کر دُنیا کو بُرے کاموں کے بُرے نتائج سے آگاہ کرے اور نیک کاموں کے نیک نتائج کی خوش خبری دے۔ دیکھو آیاتِ ذیل:

(۱۶) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۗ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (۶/۵۰ پ ، ع ۵)

(اے رسول) کہہ دے میں تم کو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ یہ کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ میں تم کو یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس امر کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی ہوتی ہے، کہہ دے کیا اندھا اور آنکھوں سے دیکھنے والا برابر ہیں کیا پھر تم غور نہیں کرتے[1]

(۱۷) قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۷/۱۸۸ پ ۹ ع ۱۳)

---

[1] اَعْمٰى اور بَصِيْرٌ کی تفسیر دوسری آیت میں حسب ذیل کی گئی ہے یعنی حقیقی بصیرت یہ ہے کہ انسان کتاب اللہ کے تابع ہو جائے دیکھو آیتِ ذیل:-

(۱) قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ (۶/۱۰۴ پ ۶ ع ۱۳)

بے شک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے دلائل آئے ہیں پھر جس نے انکو (غور سے) دیکھا اپنے فائدے کے لئے دیکھا اور جو کوئی اُن سے اندھا ہوا اُس کا نقصان اسی کو ہے

(اے رسول) کہہ دے مجھ کو اپنے نفس کے واسطے بھی نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں، مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی بات جانتا تو بہت بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور مجھ کو کبھی دُکھ نہ چھوتا میں تو صرف آگاہ کرنے والا اور ایمان والوں کو خوشخبری دینے والا ہوں۔

یہ رسالت کسی قوم اور مقام کے واسطے مخصوص نہ تھی، نوعِ انسان کی ترقی اور بہبودی کی غرض سے رب العالمین کے اس پیغام کا تمام دنیا کی طرف خطاب کیا گیا۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۱۸) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۷/۱۵۸ پ ۹ ع ۲

کہہ دے (اے رسول) بیشک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول (پیغام پہنچانے والا) ہوں۔

(۱۹) تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ ۲۵/۱ پ ۱۸

بہت برکت والا وہ اللہ ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ دنیا کو آگاہ کرنے والا ہو۔

(۲۰) وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۳۴/۲۸

اور (اے رسول) ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر سب لوگوں کو بشارت دینے والا اور آگاہ کرنے والا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

اسی مقصدِ عظیم کی وجہ سے جناب ممدوح کو ختمِ نبوت کی خلعتِ فاخرہ سے ممتاز فرمایا گیا اور ایک جامع قرآن عطا فرما کر سلسلۂ نبوت کو ہمیشہ کے واسطے یہ کہہ کر ختم کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ جیسا انسان کے گذشتہ حالات سے آگاہ ہے اسی طرح آئندہ حالات اور ضروریات کا علیم ہے۔ دیکھو آیتِ ذیل۔

(۲۱) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ ۳۳/۴۰ پ ۲۲ ع ۲۔

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں مگر اللہ کا رسول ہے اور نبیوں کا ختم کرنے والا ہے اور اللہ ہر ایک شے کو جانتا ہے۔

یہ نوعِ انسانی کا ذی وقار غم خوار اپنی فطرتِ کاملہ کی وجہ سے نرم مزاج تھا اور انسان کا رنج و مصیبت میں ہونا اُسے نہایت شاق گزرتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ تمام دُنیا تاریکی سے نکل کر حقیقی نور (قرآن مجید) کی طرف آئے تاکہ وہ نور زندگی کے دشوار گزار مرحلوں میں ہمیشہ اُن کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے، یہ مومنین کا دلی شفیق اور تمام عالم کے لئے باعثِ رحمت تھا اِنھیں اخلاقِ عظیم نے بارگاہِ رب العزت سے انھیں رحمۃ للعالمین کا اعلیٰ اعزازی لقب دلایا۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۲۲) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۳/۱۵۹ پ ۴ ع ۸

پھر (یہ امر) اللہ کی رحمت سے ہے کہ تو ان کے لئے نرم مزاج ہوا۔

(۲۳) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (۹/۱۲۸) پ ۱۱ ع ۵

بے شک تم میں سے تمہارے پاس رسول آیا ہے اس کو ناگوار ہے کہ تم دکھ میں پڑو، تمہاری بھلائی کا آرزومند ہے ایمان والوں کے ساتھ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

(۲۴) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ ۲۱/۱۰۷ پ ۱۷ ع ۷

اور اے رسول ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر اہل عالم کے لئے رحمت۔

(۲۵) وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ○ ۶۸/۴ پ ۲۹ ع ۳

اور بے شک تو بہت بڑے خلق پر ہے۔

اس خُلقِ مجسم رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ نے ہمیشہ بدی اور ایذا کا دفعیہ اعلیٰ درجے کی نیکی سے کیا جس کے سبب برگزیدہ دشمن کے سبب اس کی جان کے دشمن اس پر جان قربان کرنے لگے۔ دیکھو آیات ذیل

(۲۶) إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ○ ۲۳/۹۶ پ ۱۸ ع ۶

(اے رسول) بدی کا مقابلہ اعلیٰ درجے کی نیکی سے کر، ہم خوب جانتے ہیں جو یہ کافر بیان کرتے ہیں۔

(۲۷) إِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۴۱/۳۵ پ ۲۴ ع ۱۹

(اے رسول) بدی کا مقابلہ اعلیٰ درجہ کی نیکی سے کرو۔ پھر وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں عداوت ہے گویا کہ یگانہ دوست ہو گیا، یہ اخلاق نہیں دیئے جاتے مگر اُن لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا، اور نہیں دیئے جاتے یہ اخلاق مگر خوش قسمت لوگوں کو۔

جناب ممدوح نے حسب ارشاد ربُّ العالمین نہایت کشادہ دلی سے اعلان کر دیا کہ میں ان مواعظ حسنہ کی بابت قوم سے کسی معاوضہ کا آرزومند نہیں کیونکہ یہ نصیحت کسی قوم کے واسطے محدود نہیں بلکہ تمام اہل عالم کے واسطے ہے۔ میرا اجر وہی اللہ تعالیٰ دیگا جو کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا اور ہر ایک شئے کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ دیکھو آیات ذیل

(۲۸) قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ○ ۶/۹۰ پ ۷ ع ۱۶

کہہ دے (اے رسول) میں تم سے اس پر کچھ بدلا نہیں مانگتا۔ یہ اور کچھ نہیں مگر تمام دنیا کے واسطے نصیحت ہے۔

(۲۹) قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ
وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ (۴۷/۳۴) پ ۲۲ ع ۱۲

کہہ دے اے رسول، جو کچھ میں نے تم سے اجر مانگا ہے وہ تمھارے واسطے ہے، میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور وہ ہر ایک شے پر شاہد ہے۔

یہ کلماتِ طیبات اس طرح مقبولِ خلائق ہوئے جیسے وہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور کثیر التعداد شاخیں فضا میں جھوم رہی ہوں موسم کی خوشگوار ہواؤں سے نیز تر پھولے اور پھلے، وقت پر اپنے خوش ذائقہ اور پُر لطف پھل دے کر انسان کی زندگی کا سہارا ہو۔ انہیں مواعظ کی وجہ سے قومی نفرت الفت سے بدل گئی اور جانی دشمن پیارے بھائی ہو گئے۔ ضلالت کی تاریکی مُلک سے دُور ہونی شروع ہو گئی اور کثیر التعداد جماعتیں دینِ اسلام میں داخل ہو کر اُن کی برکات سے فیض یاب ہونے لگیں۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۳۰) وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم
بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ (۱۰۳/۳) پ ۴ ع ۲

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے جب کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر ملاپ کر دیا اللہ نے تمھارے دلوں میں پھر تم اس کی نعمت سے صبح کو اُٹھے آپس میں بھائی بھائی بن کر۔

(۳۱) إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ
أَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ (۱۱۰) پ ۳۰ ع ۳۵

جب آ چکے اللہ کی مدد اور فتح اور تو لوگوں کو دیکھ لے کہ اللہ کے دین میں کثرت سے داخل ہوتے ہیں پھر تسبیح کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور اس سے بخشش مانگ۔ وہ ہے رجوع کرنے والا۔

جنابِ خاتم النبیین نے رب العالمین کی طرف سے اہلِ عالم کے سامنے ایک کتاب پیش کی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس میں مذہبِ اسلام کے متعلق تمام اصول و ضوابط، احکام و ہدایات، وعد و وعید، قصص و تمثیلات وغیرہ ضروری امور مفصل اور مکمل موجود ہیں وہ تمام مذہبی معاملات میں قطعی فیصلہ صادر کرتا ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۳۲) قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ وَأُوحِيَ
إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ (۱۹/۶) پ ۷ ع ۸

کہہ دے (اے رسول) کون سی شہادت سب سے بڑی ہے کہہ دے اللہ مجھ میں اور تم میں شاہد ہے (اس امر کا) کہ مجھ کو یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے سے تم کو تنبیہ کر دوں اور اُن کو جن کے پاس اس کی خبر پہنچے۔

(۳۳) وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○

پ ۸ ع ۱۳

اور بے شک ہم نے دی اُن کو کتاب جس کو ہم نے اپنے علم سے مفصّل کر دیا ہے۔ ہدایت کرنے والی اور رحمت والی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

(۲۲) إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۱۳-۱۴/۸۶ پ ۳۰ ع ۱۱

بے شک یہ قرآن قول فیصل ہے بیہودہ نہیں ہے۔

راسخ العلم اہلِ اسلام کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ کتاب نہایت احتیاط کے ساتھ جناب خاتم النّبیین کی زندگی اور نگرانی میں لکھی گئی، مجموع و مرتب ہو کر نورِ رسالت کی روشنی پھیلانے کے واسطے اقطارِ عالم میں پھیل گئی اور دُنیا نے اس کتاب کو قبول کرنے سے سعادتِ دارین حاصل کی۔ یہ کتاب تمام پہلی آسمانی کتابوں پر حاوی اور مشتمل ہے۔ اس میں نوعِ انسان کے واسطے ایک مکمل ذخیرہ ہدایات کا موجود ہے۔

اَب اس قرآن مجید کی کتابت، جمعیت، ترتیب، حفاظت اور تکمیل وغیرہ کے متعلق جس قدر شہادتیں خود اس کتابِ مقدس میں موجود ہیں اُن کو مختصر طور پر ان اوراق کے ذریعہ پیش کیا جاتا ہے۔

خادم کتاب اللہ۔ خاکسار عطاء اللہ۔
مقام گجرات۔ پنجاب　　　　یکم اپریل ۱۹۵۰ء

فصلِ اوّل

کلماتِ وحی کا بصورتِ کتاب مرتب کرنا انبیاء کی سُنتِ قدیمہ تھی

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے تمام نبی یا رسول کلماتِ وحی کو بصورتِ کتاب قوم کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ ایسا کرنا نبوت یا رسالت کا ضروری جزو تھا، کیونکہ یہ مقدس لوگ دُنیا میں ہر وقت اور ہر جگہ موجود نہیں رہے، قدرت کا نہ ٹلنے والا موت اور فنا کا فتویٰ ان پر بھی اسی طرح نافذ ہوتا رہا ہے جس طرح باقی تمام نفوس اور اشیاء پر۔ دیکھو آیاتِ ذیل

(۱) كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۵۷/۲۹ پ ۲۱ ع ۲

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ پھر تم ہماری طرف پھیرے جاؤ گے۔

(۲) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۲۶-۲۷/۵۵ پ ۲۷ ع ۱۲

جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے، اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو جلال اور کرامت والی ہے۔

اس جہان کو چھوڑنے یا دُور دراز مقامات تک تبلیغ کرنے کی صورتوں میں، نبوت یا رسالت کا کتاب کے سوا سب سے بہتر کوئی قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ کتابیں تھیں جن کا نام قرآن مجید کی زبان میں کتاب اللہ یا الکتاب ہے۔ دیکھو آیات ذیل۔

(۳) كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ
وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ
۲/۲۰۹ پ ۲ ع ۱۰

لوگ ایک گروہ تھے، پھر بھیجا اللہ نے نبیوں کو خوش خبری دینے والے اور آگاہ کرنے والے، اور اُن کے ساتھ برحق کتاب اتاری تاکہ لوگوں میں اُس بات میں جس میں وہ مختلف ہوگئے ہیں حکم دیں۔

(۴) لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ
لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۵۷/۲۵ پ ۲۷ ع ۱۹

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا، اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل کو قائم رکھیں۔

آیت (۳) میں نبیین کا لفظ ہے اور آیت (۴) میں رُسل کا لفظ ہے۔ دونوں آیتوں میں الفاظ أَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ اور أَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ یکساں واقع ہوئے ہیں جن سے نبی یا رسول کے ساتھ کتاب کا ہونا صاف طور پر پایا جاتا ہے۔

(۵) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ ۱۰/۴۷ پ ۱۱ ع ۱۰

اور ہر گروہ کے لئے رسول ہے، پھر جب اللہ کا رسول آیا اُن میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا گیا اور وہ ظلم نہیں کئے جاتے۔

اس آیت کو جب آیات نمبر (۳ و ۴) ملاکر دیکھا جائے تو اس امر کا قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے کہ قرآن مجید میں نبی یا رسول کا مفہوم ایک ہے، کیونکہ ان آیات میں نبوت یا رسالت کی جو اغراض بیان ہوئی ہیں وہ ایک ہی ہیں۔

آیات مذکورہ بالا میں نزولِ کتاب سے یہ مراد نہیں ہے کہ کاغذوں پر لکھا ہوا مجموعہ آسمان سے اُترتا تھا کیونکہ دوسرے مقام پر اس طرح کتاب آسمانی کے نزول کی نفی موجود ہے۔ دیکھو آیات ذیل

(۶) أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا
نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۱۷/۹۳ پ ۱۵ ع ۱۰

یا تو آسمان پر چڑھے۔ اور ہم تیرے چڑھ جانے پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تو ہم پر ایک کتاب اُتار لائے جس کو ہم پڑھیں،

کہہ دے (اے رسول) پاک ہے میرا رب (ان امور سے) میں اور کچھ نہیں مگر انسان رسول (پیغام لانے والا۔)

اصل مطلب یہ ہے کہ انبیاء نے جن احکام کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے بصورتِ کتاب مرتب کیا اور قوم کے سامنے پیش کیا اُن پر بموجب عام محاورہ قرآن مجید کے لفظ نزول بولا گیا ہے اس محاورے کی تائید میں دیکھو آیاتِ ذیل

(۷) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَ رِیْشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

پ ۸ ع ۱۰

اے آدم کے بیٹو بے شک ہم نے تم پر ایک لباس اُتارا ہے جو تمھاری شرمگاہ کو ڈھانکتا ہے اور (تمھاری) زینت ہے۔ اور تقویٰ کا لباس یہی اچھا ہے، یہ اللہ کی آیتوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

(۸) قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ پ ۱۱ ع ۱۱

کہہ دے (اے رسول) کیا تم نے دیکھا جو کچھ ہم نے تمھارے لئے رزق کی قسم سے اُتارا ہے۔ پھر اس میں سے تم نے حرام اور حلال کر لیا، کہہ دے کیا اللہ نے تم کو اجازت دی ہے یا تم اللہ پر افترا کرتے ہو

(۹) وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴿۲۵﴾ پ ۲۷ ع ۱۹

اور ہم نے لوہا اُتارا اس میں (سامان) سخت لڑائی (کا) ہے اور لوگوں کے واسطے فائدے ہیں۔

آیت نمبر (۷) میں ہر قسم کے لباس کا ذکر ہے جو زمین کی چیزوں سے تیار ہوتا ہے۔

آیت نمبر (۸) میں ہر قسم کے رزق کا ذکر ہے جو زمین سے پیدا ہوتا اور اس پر موجود ہے۔

آیت نمبر (۹) میں لوہے اور اس کی ہم جنس دھاتوں کا ذکر ہے جو زمین سے نکلتی ہیں۔

اِن تمام اشیاء کی نسبت نزول کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی چیز بھی آسمان سے نہیں اُتری۔ اسی طرح کتبِ سماوی کی نسبت بھی نزول کا لفظ بولا گیا ہے۔

قرآن مجید میں انبیاء کی سنن قدیمہ بیان کرنے کا اصل مطلب یہ ہے کہ اُن کا اتباع کیا جائے جس حالت میں کلماتِ وحی کا بصورت کتاب مرتب رکھنا انبیاء کی مسلّمہ سنت ہے، تو جناب خاتم النبیین کا بھاری فرض یہ تھا کہ کلماتِ وحی کو بصورت کتاب جمع اور مرتب رکھتے۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۱۰) یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَہْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْکُمْ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۶﴾ پ ۵ ع ۲

اللہ چاہتا ہے کہ تم کو بتا دے اور تم کو ان لوگوں کی راہ کی ہدایت کرے جو تم سے پہلے تھے، اور تم کو معاف کرے، اور اللہ جاننے والا

حکمت والا ہے۔

(۱۱) أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۚ (۶/۸۹—۹۰) پ ۷ ع ۱۱

یہ وہ (بزرگ) لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب حکمت اور نبوت دی، پھر اگر یہ کافر اس کا انکار کریں تو بے شک ہم نے اس کے لئے اور قوم کو مقرر کیا ہے جو اس کا انکار کرنے والی نہیں ہے۔ یہ (انبیا) وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے پھر تو انہیں کی ہدایت کی پیروی کر۔

آیت نمبر (۱۱) کے عین ماقبل کی آیات میں انبیاء مندرجہ ذیل ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، نوحؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، ذکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ، الیاسؑ، اسمٰعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ، لوطؑ، کے اسمائے گرامی اور ان کے مختصر اوصاف بیان کرنے کے بعد الفاظ ذیل أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مرقوم ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان میں سے ہر ایک کو نبوت دی گئی ہے، اسی طرح ہر ایک کو کتاب بھی دی گئی ہے۔

اس آیت میں بجائے الفاظ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کے اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ کا استعمال ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فقرات کا مفہوم ایک ہے۔

اس آیت کے الفاظ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اس فرض کو ظاہر کرتے ہیں جس کی رو سے کتاب اللہ کی جمعیت اور ترتیب بھی جناب خاتم النبیین کے ذمے تھی اور یہ فرض بالکل تبلیغ رسالت کے مساوی تھا۔

اس فرض کو پورا کرنے کے واسطے جناب ممدوح کو کئی پیرایوں میں نہایت استقلال سے کاربند رہنے کا حکم ہوا اور صاف طور پر سمجھا دیا گیا کہ اس میں کسی شخص کی رائے کی نہ مداخلت ہو نہ اتباع۔ دیکھو آیات ذیل۔

(۱۲) فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۱۱/۱۱۲)

پھر تو (اے رسول اسی طرح) قائم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے تیرے ساتھ توبہ کی (اسی طرح قائم رہیں) اور حد سے آگے نہ بڑھو، بے شک وہ اللہ اس کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔

(۱۳) فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۵/۹۴ پ ۱۴ ع ۶

پھر کھول کر بتلا دے (اے رسول) اس چیز کو جس کا تجھ کو حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لے۔

(۱۴) وَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۴۲/۱۵ پ ۲۵ ع ۳

اور قائم رہ جیسا تجھ کو حکم دیا گیا اور کفار کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور کہہ دے میرا ایمان اس پر ہے جو کتاب میں سے اللہ نے نازل کیا ہے۔

یہ تمام آیات اس امر کی روشن شہادت ہیں کہ سب نبی یا رسول کلمات، وحی کو بصورتِ کتاب مرتب رکھتے تھے انبیاء کے اس متفقہ عمل کی وجہ سے جناب خاتم النبیینؐ کو اس عمل میں بھی اُن کے ساتھ اتفاق کرنے کا حکم ہوا، پھر اس اہم خدمت کو استقلال کے ساتھ انجام دینے کے واسطے بار بار تاکید ہوئی۔

انھیں احکام کی تعمیل میں اور انبیاء کی اسی سُنّتِ قدیمہ کے اقتدا میں جناب ممدوح نے تبلیغ رسالت کے ساتھ ہی قرآن مجید کے بصورت کتاب جمع اور مرتب رکھنے کی بنیاد رکھی اور اس کو اختتام تک پہنچایا۔

فصلِ دوم

قرآن مجید کے نزول کے وقت کاغذ کا استعمال ہوتا تھا اور سلسلہ کتابت جاری تھا

جناب خاتم النبیینؐ کے زمانِ سعادت اقتران میں تحریر کے واسطے کاغذ کا استعمال جاری تھا۔ لین دین کے معاملات ضبطِ تحریر میں لائے جاتے تھے۔ مذہبی کتابوں کے لکھے جانے اور اُن کے درس و تدریس کا سلسلہ عام طور پر رائج تھا۔ یہ امر کہ اس کاغذ کی ساخت کس قسم کی تھی۔ اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے ان امور کے متعلق دیکھو آیات ذیل۔

(۱) فقرہ (ا) يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ الخ $\frac{۲}{۲۸۲}$ پ ۳ ع ۷

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم قرض کا لین دین کسی میعاد مقرر تک کرو تو اس کو لکھ لو، اور چاہیئے کہ تم میں سے کوئی لکھنے والا انصاف سے لکھ دے، اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھلایا ہے لکھ دے۔

فقرہ (ب) وَلَا تَسْـَٔـــمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ الخ $\frac{۲}{۲۸۲}$ پ ۳ ع ۷

اور اس کی میعاد تک لکھنے میں سستی نہ کرو چاہے معاملہ چھوٹا ہو چاہے بڑا ہو۔

آیت کے فقرات مذکورۂ بالا سے امور ذیل معلوم ہوتے ہیں۔

اوّل۔ مومنین کا فرض ہے کہ

ا　لین دین کے اُن معاملات کو جو دست بدست نہ ہوں یا ایک مدتِ معین کے واسطے ہوں ضبطِ تحریر میں لائیں۔

ب　معاملات مذکورہ چاہے چھوٹے ہوں چاہے بڑے اُن کے لکھ لینے میں تساہل نہ ہو۔

دوم۔ کاتب کا فرض ہے کہ

ا　فریقینِ معاملہ کے منشاء کو دستاویز میں عدل سے لکھے۔

ب　تحریرِ دستاویز سے انکار نہ کرے۔

(۲) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ
وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۲/۷۹ پ ۱ ع ۹

پھر افسوس ان لوگوں پر ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کریں، پھر افسوس ہے ان کے لئے اُن کے ہاتھوں کی تحریروں پر اور افسوس ہے اُن کے عملوں پر

(۳) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ إِذْ قَالُوا مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ
مِّنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِي جَآءَ بِهٖ مُوسٰى نُورًا وَّهُدًى
لِّلنَّاسِ تَجْعَلُونَهٗ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۶/۹۱ پ ۷ ع ۱۱

اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا اس کا قدر کرنے کا حق تھا جب انھوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بندے پر کوئی چیز نہیں اتاری، کہہ دے (اے رسول) کس نے وہ کتاب اتاری جس کو موسیٰ لایا تھا جو لوگوں کے واسطے نور اور ہدایت تھی تم اس کو لکھتے ہو کاغذوں پر، ظاہر کرتے ہو اُس کو (تھوڑا) اور چھپاتے ہو بہت۔

ان آیات سے امور ذیل ظاہر ہوتے ہیں۔

اوّل　اہلِ کتاب میں مذہبی کتابوں کے لکھنے کا عام دستور تھا، جنھیں وہ اپنے مالی فائدوں کی غرض سے کتاب اللہ کے طور پر ظاہر کرتے تھے۔

دوم　اہلِ کتاب جناب موسیٰ کی اصل کتاب کو بھی کاغذوں پر لکھتے تھے، جس کے اکثر مضامین کو ذاتی اغراض کی وجہ سے چھپاتے اور بعض کو ظاہر کرتے تھے۔

سوم　آیت نمبر (۲) يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بصیغۂ غائب بیان ہوا ہے اور آیت نمبر (۳) میں تَجْعَلُونَهٗ قَرَاطِيسَ

بصیغۂ مخاطب آیا ہے۔ ہر دو کا مفہوم واحد ہے یعنی علماء اہلِ کتاب جن امور کو من جانب اللہ ظاہر کرتے ہیں اُن کو کتاب کی صورت میں کاغذوں پر لکھ لیتے ہیں۔

(۴) وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۲۶/۱۹۶–۱۹۷ پ ۱۹ ع ۱۵

اور بے شک یہ امر پہلے رسولوں کی کتابوں میں مرقوم ہے کیا ان لوگوں کے واسطے نشان نہیں ہے کہ اس امر کو بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔

(۵) اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی ۸۷/۱۸–۱۹ پ ۳۰ ع ۱۲

بے شک یہ امر پہلے صحیفوں یعنی صحیفۂ ابراہیم و موسیٰ میں مرقوم ہے۔

آیت نمبر (۴) میں لفظ زُبُرِ بصیغۂ جمع آیا ہے جس کا واحد زبور ہے۔

آیت نمبر (۵) میں لفظ صُحُفِ بصیغۂ جمع آیا ہے جس کا واحد صحیفہ ہے۔

دونوں آیتیں ہم مضمون ہیں اور ایک دوسری کی مفسر ہیں۔ اس واسطے زبور اور صحیفہ مترادف ہیں۔

آیت نمبر (۴ و ۵) کو اس مقام پر صرف اس شہادت میں پیش کیا جاتا ہے کہ جناب موسیٰ کے صحیفہ یا کتاب کے علاوہ اور نبیوں کے صحیفوں کا بھی اس زمانہ میں کاغذوں پر لکھے جانے کا دستور تھا۔ انھیں صحیفوں میں حقائق اور صداقت ہائے قرآنی یا واقعہ نزولِ قرآن مجید مرقوم تھا اور علماء بنی اسرائیل ان کتابوں کی درس و تدریس کی وجہ سے ان امور سے آگاہ تھے۔

فصل سوم

قرآن مجید نے فنِ کتابت کی اصلی عظمت بحال رکھی اور مذہبی تحریرات کی قدر و منزلت کی حد قائم کی

قرآنِ مجید اس دعوے کے ساتھ اپنے آپ کو اس دنیا میں پیش کرتا ہے کہ انسان کی تمدنی اور روحانی زندگی میں جو الجھاؤ پڑے ہوئے ہیں اُن کی عقدہ کشائی کرے، اور اُنھیں سلامتی کی راہیں بتلائے جو مضبوط بنیاد پر قائم ہیں۔ دیکھو آیات ذیل

(۱) اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ ۱۷/۹ پ ۱۵ ع ۱

بے شک یہ قرآن بہت سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

(۲) وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۲۲/۵۴ پ ۱۷ع ۱۴

اور بیشک اللہ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے صراط مستقیم (راہ راست) کی ہدایت کرنے والا ہے

(۳) فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۴۳/۴۳ پ ۲۵ ع ۱۰

پھر محکم پکڑ اس (قرآن) کو جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے، بے شک تو راہ راست پر ہے۔

قرآن مجید نے اُن تمام معاملات کو جو انسانی حقوق سے متعلق ہوں، اور معمولی دست بدست لین دین کے نہ ہوں، ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم دیا ہے، اور حقیقت کے کسی خفیف معاملے کو بھی اس قید سے مستثنیٰ نہیں کیا، اور ایسا کرنے کے فوائد کو ان جامع الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ دیکھو آیتِ ذیل

(۴) وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ كَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ۲/۲۸۲ پ ۳ ع ۷

اور نہ سستی کرو اس (قرض) کے میعاد معین تک لکھنے میں، معاملہ چاہے چھوٹا ہو چاہے بڑا یہ امر اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ انصاف والا ہے اور سب سے زیادہ صاف ہے شہادت کے واسطے، اور قریب تر ہے اس امر کے کہ تم شک میں نہ پڑو۔

آیت کے اس حصّہ میں صاف طور پر بتلایا گیا ہے کہ معاملات متعلقہ حقوق و فرائض انسان چاہے چھوٹے ہوں چاہے بڑے اُن کے ضبطِ تحریر میں لانے سے غفلت یا سستی نہیں ہونی چاہیئے۔ اخیر میں اس حکم شریف کے اعلیٰ سے اعلیٰ فائدے ظاہر کر کے نوعِ انسان کے ساتھ اس کا مستحکم تعلق قائم کیا ہے، اور اس طرح پر علمی دنیا میں لا کر اُس کی قدر افزائی سے اِس کی اصلی عظمت قائم کی ہے۔

یہ آیت مشہور آیت دَین (قرض) کا آخری حصّہ ہے، اِس کے ابتدا میں تعلقاتِ انسانی کے ایک چھوٹے سے حصّہ کو لیا گیا ہے، جس میں صرف دو شخصوں کے حقوق کا تعلق اُن معاملات میں پیدا ہوتا ہے جو دست بدست لین دین کے علاوہ ہیں۔ اِن حقوق کی حفاظت کے واسطے معاملۂ زیر تجویز کے ضبطِ تحریر میں لانے کا وجوب قائم کیا گیا ہے۔ پھر اس وجوب میں بڑے بڑے معاملات کو داخل کیا ہے جو آخر کار معاہداتِ قرآنی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد نہایت واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ معاملات کو ضبطِ تحریر میں لانے سے نتائج یا فوائد ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

اوّل یہ امر اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے زیادہ باعث عدل و انصاف ہے۔

دوم یہ امر کسی واقعہ کو بطور شہادت پیش کرنے کا سب سے سیدھا اور مضبوط طریق ظاہر کرتا ہے۔

سوم یہ امر اہل غرض اشخاص کے شک و شبہ سے بچنے کے واسطے نہایت قریب ذریعہ ہے۔

تمام واقعات متعلقہ مذہب بھی قرآن مجید کی اس ہدایت کے ماتحت ہیں، کیونکہ وہ تمام جماعت ہائے انسانی سے ایک مستحکم تعلق رکھتے ہیں، اور نوعِ انسان کے حقوق و فرائض کی مضبوط بنیاد قائم کرتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کسی مذہب کے متعلق صحیح علم حاصل کرنے کا سب سے بہتر ذریعہ مذہبی تحریرات ہوتی ہیں لیکن ایسی تحریرات کو باوقعت بنانے کے واسطے لازم ہے کہ ان کو خود بانیِ مذہب نے لکھا ہو یا اپنی نگرانی میں لکھایا ہو۔ اس قسم کی تحریرات تابعینِ مذہب پر ہر حالت میں واجب الاتباع ہوتی ہیں، اور بلاشبہ مذہبی دستور العمل بننے کی پوری قابلیت رکھتی ہیں۔ دیکھو آیت ذیل۔

(۵) لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ~~ پ ۲۷ ع ۱۹

اور بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا۔ اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

محققینِ مذہب کے لئے صرف اسی درجے کی تحریرات کسی مذہب کے صدق و کذب یا اصلی حقیقت معلوم کرنے کا معیار ہو سکتی ہیں، ان کتابوں کے سوا کوئی اور بیان زبانی ہو یا تحریری مذہبی حکم راں کا حق نہیں رکھتا۔ خصوصاً ایسے بیانات جب سلسلۂ روایت میں آجاتے ہیں تو خیالات اور اہوائے انسانی کے اختلاط سے پاک نہیں رہتے، اس واسطے قرآن شریف کے فیصلہ کے مطابق کبھی ان کو مذہبی حکومت کا لباس نہیں پہنایا جاتا، نہ یقین کا درجہ ملتا ہے، دیکھو آیات ذیل۔

(۶) الٓمّٓصٓ ۝ كِتَابٌ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ~~ پ ۸ ع ۸

یہ کتاب ہے جو تجھ پر اتاری گئی ہے، پھر تیرے دل میں اس سے کچھ حرج نہ ہو تاکہ تو اس سے لوگوں کو آگاہ کرے اور (یہ کتاب) ایمان والوں کے واسطے نصیحت ہے۔ پیروی کرو اس کی جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا اور نہ پیروی کرو اس کے سوا اور دوستوں کی، تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

(۷) تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ~~ پ ۲۵ ع ۱۷

یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم تم پر ساتھ حق کے پڑھتے ہیں۔ پھر یہ لوگ اللہ اور اُس کی آیتوں کے بعد کس حدیث پر ایمان لاتے ہیں۔

آیت نمبر (۶) میں ہے کہ انبیاء کی سُنتِ قدیمہ کے موافق جس کا ذکر آیت نمبر (۵) میں ہوا ہے جناب خاتم النبیین کو بھی ایک کتاب عطا ہوئی ہے، اور صرف وہی کتاب واجب الاتباع ہے، مذہبی امور میں اس کتاب کے سوا کسی اور بیان کا (تحریری ہو یا تقریری) اتباع منع ہے۔ ساتھ ہی یہ امر بھی جتلا دیا گیا ہے کہ تم ان نصیحتوں سے بہت کم فائدہ اٹھاتے ہو۔

آیت نمبر (۷) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کی آیات کے بعد جو جناب رسول علیہ السلام پر پڑھی جاتی ہیں یہ لوگ اور کس حدیث پر

ایمان لاتے ہیں؟

قرآن شریف نے امور وہمیہ یا مسائل ظنیہ کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے، اور اُن کو سراسر ضلالت بتلایا ہے، اور ابنائے اسلام کو بار بار آگاہ کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسائل ظنیہ کے گرداب میں ڈالنے سے ہلاک نہ کریں۔ دیکھو آیات ذیل۔

(۸) وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۶/۱۱۶-۱۱۷ پ ۸ ع ۱

اور اگر تو اطاعت کرے اکثر گروہ کی جو دنیا میں ہے تو تجھ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کردیں گے، وہ پیروی نہیں کرتے مگر ظن کی اور وہ نہیں ہیں مگر اٹکل پچو کہنے والے۔ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے گم راہ ہو رہا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔

(۹) وَ مَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ۱۰/۳۶ پ ۱۱ ع ۹

اور نہیں پیروی کرتا اُن میں سے اکثر گروہ مگر ظن کی، بے شک ظن کچھ بھی حق بات (کے علم) سے بے پرواہ نہیں کرتا، بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

قرآن شریف نے یہ بھی بتلایا ہے کہ مسائل ظنیہ پر چلنے والے غفلت کی بھول بھلیوں میں پڑے ہوئے ہیں یہ لوگ الھُدیٰ (قرآن مجید) کے آنے کے بعد بھی ایسا مذہب چاہتے ہیں جو اُن کی نفسانی خواہشوں کے مطابق ہو حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ دیکھو آیات ذیل۔

(۱۰) قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۵۱/۱۰-۱۱ پ ۲۶ ع ۱۸

تباہ ہو گئے اٹکل پچو کام کرنے والے وہ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔

(۱۱) اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝ ۵۳/۲۳-۲۴ پ ۲۷ ع ۵

وہ نہیں پیروی کرتے مگر ظن کی، اور اُس امر کی جو دل چاہتے ہیں، اور بے شک اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے کیا انسان کو جو چاہے ملتا ہے۔

اس کے مقابل قرآن مجید کے مسائل کو ہمیشہ مسائل یقینیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دیکھو آیات ذیل

(۱۲) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۵۶/۹۵-۹۶ پ ۲۷ ع ۱۴

بے شک یہ (قرآن) حق الیقین ہے، پھر تسبیح کر اپنے رب کے نام سے (جو) عظمت والا ہے۔

(۱۳) وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ○ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ ۵۱-۵۲ پ ۲۹ ع ۶
بے شک یہ (قرآن) حق الیقین ہے، پھر تسبیح کر اپنے رب کے نام سے (جو) عظمت والا ہے۔

قرآن مجید نے غیر کتاب اللہ کے اتباع کی ممانعت کرنے سے اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مذہبی مکالمات کے وقت اسی اصول کے مطابق اپنی طرف سے کتاب اللہ کو پیش کیا اور فریق مقابل سے کتاب اللہ ہی کا مطالبہ کیا۔ ان امور کے متعلق چند آیات کو دو ضمنوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

ضمن اول

وہ آیات جن میں اپنی طرف سے کتاب اللہ کو پیش کیا گیا ہے۔

(۱۴) قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ۚ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَ مَنْ بَلَغَ ۱۹ پ ۷ ع ۸
کہہ دے (اے رسول) کونسی شہادت سب سے بڑی ہے کہہ دے اللہ مجھ میں اور تم میں (اس امر کا) شاہد ہے کہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تم کو آگاہ کروں اور اس شخص کو جسے اس کی خبر پہنچے۔

(۱۵) وَ هٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۱۵۶ پ ۸ ع ۸
اور یہ کتاب برکت والی ہے ہم نے اس کو نازل کیا ہے، پھر تم اس کی پیروی کرو تاکہ رحم کئے جاؤ۔

(۱۶) قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۲۰۳ پ ۹ ع ۱۴
کہہ دے (اے رسول) اور کچھ نہیں میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے میرے رب سے یہ تمہارے رب کی طرف سے دلائل ہیں اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے واسطے جو ایمان لاتے ہیں۔

ضمن دوم

وہ آیات جن میں فریق مقابل سے بھی اس کی آسمانی کتاب کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

(۱۷) قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۹۳ پ ۴ ع ۱
کہہ دے (اے رسول) تم توراۃ لے آؤ پھر اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو

(۱۸) اَمْ لَکُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِیْنٌ ○ فَاْتُوْا بِکِتٰبِکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۱۵۶-۱۵۷ پ ۲۳ ع ۹
کیا تمہارے پاس کوئی دلیل بیان کرنے والی ہے، پھر تم اپنی کتاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

(۱۹) اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ کِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِکُوْنَ ۲۱ پ ۲۵ ع ۸

کیا ہم نے ان لوگوں کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے پھر وہ اُس کو محکم پکڑے ہوئے ہیں۔

(۳۰) اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۳۸-۳۷ / ۲۸ پ ۲۹ ع ۲

کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے اُس میں تم پڑھتے ہو کہ تمھارے لئے وہی کچھ ہے جس کو تم پسند کرتے ہو۔

الغرض قرآن مجید نے مختلف طریقوں سے اس امر کو واضح کر دیا ہے، کہ مذہبی مسائل میں صرف آسمانی کتاب واجب الاتباع اور قابلِ سند ہو سکتی ہے، اور کسی مذہب کی حقیقت اصلی معلوم کرنے کے واسطے آئینے کا کام دے سکتی ہے، اس کے سوا باقی کسی بیان یا تحریر کو یہ وقعت نہیں دی جا سکتی۔

فصل چہارم

قرآن مجید کی وحی کو بصورتِ کتاب دیکھنے کے متعلق قوم کی متفقہ خواہش تھی

قرآن مجید کے نازل ہونے کے زمانہ میں لوگ عموماً اس امر کے آرزومند تھے، کہ جو حقائق اور احکام انھیں سنائے جاتے ہیں، وہ بصورتِ کتاب اُن کے پاس جمع ہوں۔ یہ لوگ بلحاظ اپنے خیالات اور مقاصد کے تین جماعتوں پر تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

جماعت اول

مومنین کی خواہش

یہ گروہ ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے اپنی قومی زبان میں ایک مجموعۂ ہدایات کا خواہشمند تھا، جو کتاب کی صورت میں ہو اور جس کو وہ پڑھ سکیں یا سمجھ سکیں، اس گروہ کا ذکر آیات ذیل میں ہے۔

(۱) وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اَنْ
تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ
لَغٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ
فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۱۵۸-۱۵۶ / ۶ پ ۸ ع ۸

اور یہ مبارک کتاب ہے اس کو ہم نے اتارا ہے پھر تم اس کی پیروی کرو اور ڈرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کہو

ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب نازل ہوئی ہے اور ہم اُن کے پڑھنے سے غافل تھے، یا تم کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم اُن سے زیادہ ہدایت والے ہوتے پھر بے شک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آگئی ہے۔

اِن آیات کے ابتدا میں قرآن مجید کو بہ صورتِ کتاب ظاہر کرکے اس کے اتباع کو باعثِ رحمت قرار دیا ہے۔ اور کتاب کی شکل میں مرتب کرنے کی وجہ یہ تبلائی ہے کہ جماعتِ مومنین اس کے یکجائی مطالعہ سے فائدہ اٹھا سکے، اور بمقابلہ دیگر اقوام کے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ اخیر میں تبلایا ہے کہ یہی کتاب بادیہ ضلالت میں بھٹکے ہوؤں کے واسطے باعثِ ہدایت ہے، اور گناہ کی آگ بجھانے کے واسطے آبِ رحمت ہے۔

جماعتِ دوم مستہزئین کی خواہش

یہ گروہ بھی ایک کتاب کا خواہشمند تھا لیکن استہزاء کے طور پر تاکہ کلماتُ اللہ کی اشاعت رُک جائے۔ تعجب یہ ہے کہ اہلِ کتاب بھی اس جماعت میں شامل تھے جو کتبِ سماوی کے قاعدہ نزول سے آگاہ تھے، مگر رقابت نے انھیں چشمہ ہدایت کی موجودگی میں بھی پیاسا ہی رکھا۔ دیکھو آیات ذیل

(۱) يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ الخ ﴿۱۵۳﴾ پ ۶ ع ۲

تجھ سے اہلِ کتاب سوال کرتے ہیں کہ تو اُن پر آسمان سے کتاب اتارے۔

(۲) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ پ ۷ ع ۷

اور اگر ہم تجھ پر کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب اتارتے پھر یہ لوگ اس کو اپنے ہاتھ سے چھو بھی لیتے تو بھی کافر کہتے یہ نہیں ہے مگر کھلا جادو۔

(۳) اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ پ ۱۵ ع ۱۰

(کافر کہتے ہیں) یا تو (اے رسول) آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھ جانے کو نہیں مانیں گے یہاں تک کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جس کو ہم پڑھ لیں۔ کہہ دے میرا رب اِن باتوں سے پاک ہے اور میں کچھ نہیں ہوں مگر ایک بشر پیغام پہنچانے والا۔

آیت نمبر (۱) میں اہلِ کتاب کی ایک درخواست کا ذکر ہے جو بارگاہِ رسالت میں پیش ہوئی۔ اس درخواست میں ایسی کتاب کا مطالبہ کیا گیا تھا جو بنی بنائی آسمان سے نیچے آئے۔

آیت نمبر (۲) میں اس کا جواب حسبِ ذیل مرقوم ہے۔

"اگر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب اِن پر اُترے، اور یہ لوگ ہاتھوں سے اسے

نشول بھی ہیں تو بھی سحری کہیں گے۔

آیات مابعد میں بتلایا گیا ہے کہ اس سوال میں صرف رسالت سے ہنسی کرنا مقصود ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، پہلے رسولوں سے بھی استہزا کیا گیا ہے۔ ایسی حرکات کے نتائج ہمیشہ انہی لوگوں پر عائد ہوئے ہیں۔

آیت نمبر (۳) کی ابتدائی آیات میں ان رکاوٹوں کا ذکر ہے جو کفار نے کلمات اللہ کی اشاعت کے متعلق بخیالِ خود پیدا کیں۔ انھیں میں سے ایک کا ذکر اس آیت میں اس طرح مرقوم ہے۔

"کفار نے کہا ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں کہ رسول خود آسمان پر چڑھ جائے اور ایک کتاب نازل کرے جس کو ہم پڑھ لیں۔"

اسی آیت میں اُن کے اس خیال کا جواب دیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسے افعال سے پاک ہے اور رسول صرف انسان ہے۔ یعنی

اوّل اللہ تعالیٰ کی عادت (سنۃ اللہ) نہیں ہے کہ

ا۔ انسان کو آسمان پر بلائے۔

ب۔ انسان کو بنی بنائی کتاب عطا فرمائے۔

دوم رسول کی طاقت نہیں ہے کہ

ا۔ خود آسمان پر چڑھ جائے۔

ب۔ بنی بنائی کتاب لے آئے۔

کفار کی یہ خواہش چاہے کیسی ہی قابلِ ملامت اور ناقابلِ التفات ہو، مگر غور طلب یہ امر ہے کہ استہزار کے انداز میں بھی کتاب ہی کا مطالبہ ہے۔

جماعت سوم معترضین کی خواہش

یہ عجیب فطرت کے لوگ تھے ان کی خواہش بھی نرالی تھی، یہ نہایت بے باکی سے درخواست کرتے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کلام کرے، ہم پر براہ راست وحی آئے، ہمیں آسمانی صحیفے ملیں۔ دیکھو آیات ذیل۔

(۱) وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۲/۱۱۲ پ ۱ ع ۴

کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کیوں حکم نہیں آتا (براہِ راست)۔

(۲) وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۶/۱۲۴ پ ۱ ع ۲

اور جب اُن کے پاس کوئی حکم آتا ہے کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم کو وہی کچھ نہ دیا جاوے

جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا، اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے۔

(۳) فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ○ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ○ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ○ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ○ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ (۷۴ / ۴۹-۵۳) پ ۲۹ ع ۱۶

پھر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ اس قرآن سے منہ پھیرتے ہیں گویا کہ وہ بدکنے والے گدھے ہیں شیر سے بھاگے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کو کھلے صحیفے دیئے جائیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے۔

آیت نمبر (۱ و ۲) میں اس جماعت کی گستاخانہ خواہشوں کے اظہار کے بعد جواب دیا گیا ہے کہ تمہاری درخواستیں نبوت یا رسالت کی ہیں یہ منصب محض درخواست پر نہیں ملتا۔ اس امر کا فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ کون اس کی ہم کلامی کے لائق ہے اور کون اس کی رسالت کا بوجھ اٹھانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس لیاقت کو سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

آیت نمبر (۳) میں ایسی خواہشوں کو حقارت سے دیکھا گیا ہے، اور صاف ظاہر کیا گیا ہے کہ التذکرہ (قرآن مجید) کی موجودگی میں رسالت اور آسمانی صحیفوں کی خواہش ایک خوفناک اور ناقابل قبول آرزو ہے اور اس صراطِ مستقیم سے اعراض ہے جس کی رہنمائی اس مقدس کتاب نے کی ہے۔

یہ تینوں جماعتیں گو بلحاظ دلی ارادوں کے آپس میں کیسی ہی مختلف تھیں مگر سب کی سب کتاب یا صحیفہ کی آرزو میں شرکت رکھتی تھیں۔ ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ وحی الٰہی کو بصورت کتاب جمع اور مرتب رکھنے کی جو سنت قدیمہ چلی آتی تھی اس کا جناب خاتم النبیین کے زمانہ میں یہاں تک اثر باقی تھا کہ ہر ایک پہلو سے عام اس سے کہ متانت سے ہو یا استہزاء سے کتاب ہی کا مطالبہ کیا گیا۔

فصل پنجم

وحی کی کتابت ایک جماعت صالحہ کے اہتمام میں تھی

قرآن مجید سے اس امر کی روشن شہادت ملتی ہے کہ اس کے نزول کے زمانے میں کاتبانِ وحی کی ایک جماعت صالحہ مقرر کی گئی تھی جو بلحاظ دیانت اور تقویٰ کے قوم میں ممتاز درجہ رکھتی تھی، اور قرآن مجید کی عظمت بدرجۂ غایت ان کے دلوں میں

شکن عمی۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۱) اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ عبس ۱۲—۱۶ پ ۳۰ ع ۵

بے شک یہ قرآن ایک نصیحت ہے، پھر جو شخص چاہے اس کو یاد رکھے (یہ) لکھی ہوئی سورتوں میں ہے جو کرامت والی ترتیب دی ہوئی محفوظ ہیں جن کو بزرگ نیک کاتبوں کے ہاتھوں نے لکھا ہے۔

سب سے پہلے اس آیت کے چند ضروری الفاظ کے معانی قرآنِ مجید کی دوسری تفسیری آیات سے بیان کئے جاتے ہیں۔ پھر اس کا عام مفہوم بیان کیا جائے گا

تَذْكِرَةٌ۔ اس سے مراد قرآن مجید ہے، کیونکہ یہ اعلیٰ درجے کی نصیحت ہے۔ اس کی تائید میں دیکھو آیتِ ذیل

(۲) طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ طٰهٰ ۱—۲

پ ۱۶ ع ۱۰

ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تو رنج میں پڑے مگر یہ اس شخص کے واسطے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے۔

(۳) وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الحاقہ ۴۸ پ ۲۹ ع ۶

بے شک یہ قرآن متقین کے واسطے نصیحت ہے۔

صُحُف جمع صحیفہ کی ہے۔ صحیفہ سے مراد کتاب ہے۔ قرآن مجید میں تورات پر صحیفہ اور کتاب دونوں لفظوں کا اطلاق ہوا ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۴) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۝ حٰمٓ ۱۴ پ ۲۵ ع ۲۰

اور پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی پھر اس میں اختلاف کیا گیا۔

(۵) اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۝ النجم ۳۶—۳۷ پ ۲۷ ع

کیا اس کو خبر نہیں ملی اس کی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم کے صحیفے میں جس نے اپنا قول پورا کیا۔

مَرْفُوْعَة اس لفظ سے ان صحیفوں کی اعلیٰ اور احسن ترتیب مراد ہے۔ دوسرے مقامات پر یہ لفظ انھیں معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل

(۶) وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝ الواقعہ ۳۴ پ ۲۷ ع ۱۴

اور فرش ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔

(۷) فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝ الغاشیہ ۱۳ پ ۳۰ ع ۱۳

اس میں تخت ترتیب سے رکھے گئے ہیں۔

آیت نمبر(۷) میں فُرُش جمع ہے فرش کی اور آیت نمبر(۸) میں سُرُر جمع ہے سریر کی، فرش اور سریر ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں، اور دونوں آیتیں ایک دوسرے کی مفسر ہیں یعنی قیام گاہ جس پر تکیہ لگایا جا سکے۔ اس مفہوم کی تائید آیات ذیل سے ہوتی ہے:

(۸) مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۲۰/۵۲ پ ۲۷ ع ۳

اہل جنت ایسے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جو بالترتیب بچھے ہوئے ہوں گے۔

(۹) عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۵۶/۱۵-۱۶ پ ۲۷ ع ۱۴

اہل جنت ایسے تختوں پر ہوں گے جو بالترتیب لگے ہوئے ہوں گے اُن پر تکیہ لگا کر آرام کرنے والے آمنے سامنے ہوں گے۔

آیت نمبر(۸) میں سُرُرٍ (واحد سریر) کی صفت مَصْفُوْفَةٍ بیان ہوئی ہے، اور آیت نمبر(۹) میں سُرُرٍ کی صفت مَّوْضُوْنَةٍ بیان ہوئی ہے مصفوف اور موضون ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں، اور دونوں آیتیں ایک دوسرے کی مفسر ہیں، یعنی ایسی قیام گاہیں جن پر تکیہ لگایا جا سکے، اور جو مناسب ترتیب سے لگائی گئی ہوں۔

آیت نمبر(۹) نے اس مفہوم کو نہایت واضح کر دیا ہے۔ یعنی اہل جنت ایسی قیام گاہوں پر متمکن ہوں گے جو مناسبت سے ترتیب وار سجائی ہوئی ہوں گی، اور اُن پر آرام کرنے والے متقابل (آمنے سامنے) ہوں گے۔

نتیجہ یہ ہے کہ آیت مندرجہ عنوان میں لفظ مَرْفُوْعَةٍ کے معنے مَصْفُوْفَةٍ (ترتیب وار دہ شدہ) کے ہیں۔

مُطَهَّرَةٍ۔ اس لفظ کے معنی ہیں محفوظ کئے گئے، یعنی یہ صحیفے شریروں کی دست بُرد سے محفوظ ہیں۔ اس مقام پر صُحُف کی صفت مُطَهَّرَةٍ واقع ہوئی ہے۔ دوسرے مقام پر کتاب کی صفت محفوظ درج ہے (دیکھو مفصّل بحث مندرجہ فصل نہم)

صحیفہ اور کتاب مترادف الفاظ ہیں، چونکہ صحیفہ کی صفت مُطَهَّرَةٍ اور کتاب کی صفت محفوظ واقع ہوئی ہے اس واسطے مُطَهَّرَة اور محفوظ بھی ہم معنی ہیں۔

سَفَرَة جمع سافر کی ہے، جیسے كَتَبَة جمع کاتب کی ہے سافر اور کاتب ہم معنی ہیں، سفر بالکسر کے معنی ہیں کتاب جس کی جمع اسفار یعنی کتب ہے۔ قرآن مجید سے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے، دیکھو آیات ذیل

(۱۰) مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (۶۲/۵) پ ۲۸ ع ۱۱

ان لوگوں کی مثال جن کو تورات دی گئی پھر انھوں نے اس کو نہ اٹھایا اس گدھے کی طرح ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے۔

بَرَرَة یا اَبْرَار سے جماعت متقین مراد ہے ان کا ماخذ بِرّ ہے بِر کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے۔

(۱۱) لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ

اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ
وَالسَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَی الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ ۲/۱۷۷ پ ۲ ع ۶

یہ کچھ نیکی نہیں ہے کہ اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو، لیکن نیکی وہ شخص کرتا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور ملائکہ پر اور تمام کتابوں پر اور تمام نبیوں پر اور دیا مال اُس کی محبت پر قرابتیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قائم کی صلوٰۃ اور دی زکوٰۃ اور اپنے عہد کے پورا کرنے والوں کو جبکہ وہ عہد کریں اور خوف اور تکلیف میں صبر کرنے والوں کو اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

اس آیت میں لفظ اَلْبِرّ کی تشریح کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ابرار کو متقین بھی کہا گیا ہے تمام تعریف مندرجہ آیت نوعِ انسان پر استعمال ہوئی ہے اور درحقیقت انسان ہی اس کا صحیح مورد و مصداق ہو سکتا ہے۔

سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ کا تبینِ متقین کی جماعت مراد لینا بالکل آیاتِ مذکورۂ بالا کے سیاق کے مطابق ہے۔

آیت نمبر (۱) مندرجہ شروع فصل کے تمام الفاظ کی تشریح اور تفسیر سے جو حسبِ آیاتِ قرآنِ مجید کی گئی ہے اور الفاظِ آیت کے باہمی ربط کے لحاظ سے ایک صحیح و مامع اتفاق اِس نتیجہ پر بآسانی پہنچ جاتا ہے کہ قرآنِ مجید کا نصیحت ہونا، ایک قابلِ تکریم کتاب کی صورت میں باترتیب ضبطِ تحریر میں آنا، پاکباز جماعت کی حفاظت میں رہنا، نیکوکار کاتبوں کے ہاتھ سے لکھا جانا، شریروں کی مداخلت سے محفوظ ہونا، تمام ایسے اوصاف ہیں جو نوعِ انسان سے تعلق رکھتے ہیں

اس تشریح کے بعد آیت کا مطلب حسبِ ذیل ہوا۔

یہ قرآنِ مجید ایک تذکرہ (نصیحت) ہے، جو شخص چاہے اِس کو یاد رکھے، یہ صحیفوں (سورتوں) پر مشتمل ہے، جن کو فضیلت دی گئی ہے، باترتیب لگی ہوئی ہیں، شریروں کی دست بُرد سے محفوظ ہیں، کاتبوں کی ایک جماعتِ صالحہ کے ہاتھوں سے ضبطِ تحریر میں آئی ہیں۔

فصل ششم

کلماتِ وحی نزول کے بعد سب سے پہلے قرآنِ مجید میں لکھے جاتے تھے

وحی کے نازل ہونے کے بعد بارگاہِ رسالت میں پہلا کام یہ ہوتا تھا، کہ کلماتِ وحی کو کتاب میں

درج کیا جائے، اس کے بعد وحیِ مکتوب کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ اس کی شہادت آیاتِ ذیل سے ملتی ہے۔

(۱) وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۲۷/۱۸ پ ۱۵ ع ۱۶ اور (اے رسول) پڑھ سنا جو کچھ تجھ پر وحی کی گئی ہے اپنے رب کی کتاب میں سے۔ اس کے کلموں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور تو سوا اس کے اور کوئی جائے پناہ ہرگز نہ پائے گا۔

(۲) اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ۴۵/۲۹ پ ۲۱ ع ۱

اور پڑھ سنا جو کچھ تجھ پر وحی کی گئی ہے کتاب میں سے۔

ان آیتوں سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اول جناب خاتم النّبیین کی طرف وحی آتی تھی۔

دوم وحی کے کلمات کتاب میں درج کئے جاتے تھے۔

سوم کلماتِ وحی کا لوگوں کو سنایا جانا کتابت کے بعد ہوتا تھا اور جو کچھ سنایا جاتا تھا وہ اسی کتاب کا جزو ہوتا تھا کیونکہ کتاب میں سے سنانے کا حکم ہے۔

قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے بھی التزامِ کتابت کی تائید ہوتی ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل۔

(۳) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ۱۷۸/۲ پ ۲ ع ۶

اے ایمان والو تم پر مقتولوں کی بابت قصاص لکھا گیا ہے۔

(۴) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ ۱۸۳/۲ پ ۲ ع ۷

اے ایمان والو تم پر روزے لکھے گئے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوگا کہ کلمات اللہ بہ مجرد سماع کے لکھ لئے جاتے تھے، یعنی وحی اور کتابت لازم و ملزوم تھے اسی مناسبت کی وجہ سے ان آیات میں لفظ کُتِبَ بہ معنی حُکِمَ استعمال ہوا ہے۔

اسی مفہوم کو دوسرے مقام پر دوسرے طریق سے ادا کیا گیا ہے۔ دیکھو آیتِ ذیل

(۵) اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَکْتُبُوْنَ ۴۷/۶۸ پ ۲۹ ع ۴

کیا ان منکرین کے پاس علم غیب ہے پس وہ (اُسے) لکھ لیتے ہیں۔

اس آیت میں اس امر کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید کی وحی تو لکھ لی جاتی ہے، کیا اِن منکرین کے پاس بھی کوئی غیب سے وحی آتی ہے جس کو وہ بھی لکھ لیتے ہیں۔

(۶) اَوَ لَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَةً وَّ ذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۵۱/۲۹ پ ۲۱ ع ۲

کیا ان لوگوں کے لئے (یہ) کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی بے شک اس میں رحمت اور نصیحت ایسی

قوم کے لئے ہے جو ایمان لاتی ہے۔

اس آیت کے ذریعے اُن تمام اوہام کو رفع کیا گیا ہے جن سے کسی آیتِ غیر مکتوب کا تصور بھی ذہن میں آسکتا تھا اور کھول کر بتلایا گیا ہے کہ ہم نے خاتم النبیین پر جو کتاب نازل کی ہے اور جو لوگوں پر پڑھی جاتی ہے کیا وہ اُن کے واسطے کافی نہیں ہے، بے شک ایمان والوں کے واسطے اسی کتاب میں رحمت اور نصیحت ہے۔

نزولِ وحی کے زمانے میں تمام نازل شدہ کلماتِ وحی کا تحریر ہو کر بصورتِ کتاب جمع اور مرتب ہونا ایک مشہورِ عام واقعہ تھا، چنانچہ قرآن مجید میں اگر ایک مقام پر لفظِ قرآن استعمال ہوا ہے تو دوسرے مقام پر اُسی کی مشابہ آیت میں لفظِ کتاب آگیا ہے۔

اسی کتاب کے لزوم کی وجہ سے قرآن مجید کا دوسرا نام الکتاب یا الکتاب المبین آیا ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل

(۷) الٓرٰ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۱۲/۲ پ ۱۲ ع ۱۱

یہ اس کتاب بیان کرنے والی کی آیتیں ہیں جس کو ہم نے بنایا ہے عربی قرآن تاکہ تم سمجھو۔

(۸) حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۴۳/۲ پ ۰ ع ۷

قسم ہے اس کتاب بیان کرنے والی کی ہم نے اس کو بنایا ہے (کیا ہے) عربی قرآن تاکہ تم سمجھو۔

علاوہ اس کے ان آیتوں میں الفاظ ذیل واقع ہوئے ہیں۔ "اَنْزَلْنٰهُ جَعَلْنٰهُ" جو ہم معنون ہیں دونوں میں ضمیر واحد کا استعمال ہوا جس کا مرجع بھی واحد ہونا ضروری ہے۔ دونوں آیتوں میں ضمیر کا مرجع الکتاب ہے اگر قرآن مجید علیحدہ علیحدہ اجزا میں پراگندہ ہوتا تو نہ اس پر ضمیر واحد کا استعمال ہوتا نہ اس پر الکتاب کا لفظ صادق آتا۔

قرآن مجید کے مکتوب ہونے کا واقعہ ایسا عام تھا کہ کفار کو بھی نزولِ وحی کے زمانے میں اس امر کا اقرار ہی کرنا پڑا، گو وہ بدقسمتی سے اس عظیم الشان نعمت سے محروم رہ گئے۔ دیکھو آیت ذیل

(۹) وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۲۵/۵ پ ۱۸ ع ۱۶

اور کفار نے کہا (یہ) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں اس رسول نے ان کو لکھ یا لکھا رکھا ہے پھر وہی اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔

فصل ہفتم

قرآن مجید کی ترتیب وحی سے ہوئی

حقیقی مذہب اسلام کا یہ ایک محقق مسئلہ ہے کہ جناب خاتم النبیین نے وحی الٰہی کی ہدایت سے تمام کلمات اللہ کو الکتاب (قرآن مجید) میں ترتیب دیا۔ جناب ممدوح کی حیات بابرکات میں کاتبوں نے اسی ترتیب سے اس کو لکھا، اور حافظوں نے اسی طرح اس کو حفظ کیا۔ یہ مضمون قرآن مجید میں کئی طرح سے بیان ہوا ہے، اس مقام پر ان میں سے صرف تین طریق لکھے جاتے ہیں۔

طریق اول

اس میں وہ آیتیں درج ہیں جن سے خالص ترتیب کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) طٰهٰ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى ۲۰/۴-۱ پ ۱۶ ع ۱۰

نہیں نازل کیا ہم نے تجھ پر قرآن تاکہ تو تکلیف اٹھائے مگر نصیحت ہے اس شخص کے لئے جو ڈرتا ہے۔ یہ ترتیب اس ذات پاک کی طرف سے ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔

(۲) الٓمٓ تَنزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ الخ ۳۲/۳-۱ پ ۲۱ ع ۱۴

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کتاب (قرآن مجید) کی ترتیب رب العٰلمین کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کتاب کو اس رسول نے خود ترتیب دے لیا ہے (ایسا نہیں) بلکہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے۔

(۳) تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۳۹/۱ پ ۲۳ ع ۱۵

اس کتاب کی ترتیب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔

ان آیات میں لفظ تَنزِيلُ قابل غور ہے، جس سے آیات کی مواصلت یا ترتیب مراد ہے، جیساکہ دوسری آیت میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ دیکھو آیت ذیل۔

(۴) وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۲۸/۵۱ پ ۲۰ ع ۲

اور بے شک ہم نے ان لوگوں کے واسطے قرآن مجید کو ترتیب دیا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں۔